اردو کا پہلا نثری ڈرامہ

اور

کیپٹن گرین آوے

ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال
ایم۔اے، پی ایچ۔ڈی (عثمانیہ)

نام کتاب	اردو کا پہلا نثری ڈراما اور کیپٹن گرین آوے
© تحقیق و ترتیب	ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال
سنہ اشاعت	جنوری ۱۹۸۴ء پہلا ایڈیشن
ناشران	محمد علیم الدین محی الدین تاجران و ناشران کتب۔ حبیب نگر۔ نامپلی۔ حیدرآباد
سرورق	غوث محمد
کتابت	محمد عبدالرزاق
مطبع	دائرہ پریس۔ چھتہ بازار۔ حیدرآباد
قیمت	آٹھ روپے

ملنے کے پتے

۱۔ ڈاکٹر افضل اقبال "مقام مسعود" ۳۸-۲-۵ جام باغ روڈ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ (اے۔پی)
۲۔ محمد علیم الدین محی الدین تاجران و ناشران کتب ۷۳۲-۲-۱۱ حبیب نگر۔ نامپلی۔ حیدرآباد (اے۔پی)
۳۔ بک ڈپو انجمن ترقی اردو حیدرآباد - "اردو ہال" حمایت نگر - حیدرآباد (اے۔پی)
۴۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
۵۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ پرنس بلڈنگ۔ بمبئی ۴۰۰۰۰۳
۶۔ مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ یونیورسٹی مارکٹ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱
۷۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی ۶
۸۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس مسلم یونیورسٹی مارکٹ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

انتساب

اُردو کے ممتاز ادیب، محقق، نقاد و ماہر لسانیات

پروفیسر ڈاکٹر گیان چند جین صاحب

ایم۔ اے، ڈی۔ فل، ڈی۔ لٹ

(پروفیسر و صدر شعبہ اُردو حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی)

کے نام

محمد افضل اقبال

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ڈرامہ ایک قدیم فن ہے۔ صنفِ ادب کی حیثیت سے بھی اس کی قدامت مسلّم ہے۔ اسے عالمی ادب کی عظیم ترین اصناف میں شامل کیا جاتا ہے اور عالمی ادب کی بیشتر آفاقی شہکار اسی صنف سے تعلق رکھتے ہیں۔

ڈرامہ یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "کر کے دکھانا"۔ یہ ایک ایسی صنفِ ادب ہے جس میں انسانی زندگی کی حقیقتوں اور صداقتوں کو اسٹیج پر نقل کے ذریعہ پیش کیا جاتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں ڈرامہ تماشائیوں کے روبرو اسٹیج پر اداکاروں کے ذریعہ کہانی کی پیش کش کا نام ہے۔ یہ خصوصیت ڈرامے کو بعض دوسرے فنون سے ایک جداگانہ اور ممتاز حیثیت بخشتی ہے۔

ڈرامہ کو عربی و فارسی میں "تمثیل"، سنسکرت اور ہندی میں "ناٹک" کہتے ہیں۔ لفظ "تمثیل" اگرچہ فارسی میں عربی سے آیا ہے لیکن عربی و فارسی ادب میں تمثیل کا سراغ نہیں ملتا۔ عربی، فارسی اور اسلامی لٹریچر میں ڈرامہ کا فقدان ہے۔ زمانۂ قدیم میں ڈرامے کے دو بڑے مرکز یونان اور ہندوستان میں تھے۔ دونوں مراکز پر ڈرامے کی جداگانہ روایتیں تھیں اور اسی مناسبت سے دونوں مرکزوں پر اس فن کے جداگانہ اصول تھے۔ یونانی ڈرامے کے اصول پہلی مرتبہ ارسطو نے اپنی مشہور تصنیف "بوطیقا" میں بیان کیے جس کا اردو ترجمہ عزیز احمد نے "فن شاعری" کے نام سے کیا ہے۔ اور ہندوستانی ڈرامے کے اصولوں پر پہلی تصنیف بھرت منی کی "ناٹیہ شاستر" ہے۔ سنسکرت ڈرامہ کے تذکرہ سے ہندوستان کی قدیم تاریخ کے اوراق رنگین ہیں۔ لیکن سنسکرت کبھی عوامی زبان نہ بن سکی، اس کا دائرہ محدود رہا۔ اس کی مقبولیت صرف خواص تک رہی۔ وہ زبان جو کسی خاص طبقے کی ملکیت ہوتی ہے کبھی ترقی نہیں کرتی۔

جب مسلمان ہندوستان آئے، سنسکرت زبان اور خصوصاً سنسکرت ڈرامہ دم توڑ چکے تھے ـــ

اس لئے مسلم حکمرانوں کے دور میں ڈرامے کی روایت کو کوئی فروغ نہ مل سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام میں تمثیل اور نقالی ممنوع قرار دی گئی ہے۔ اس لئے ڈرامے کی صنف پر نہ کوئی توجہ کی گئی اور نہ اُسے کوئی سماجی مقام حاصل ہو سکا۔ ہندوستان میں صدیوں تک حکومت کرنے کے باوجود فن ڈرامہ ان کی سرپرستی سے محروم رہا۔ اور اردو زبان بھی صدیوں تک ڈرامہ سے ناآشنا رہی۔ ڈاکٹر سید عبداللطیف کا خیال ہے کہ موسیقی کی طرح ڈرامے کو بھی راسخ الاعتقاد مسلم فرقے نے ہمیشہ بُرا سمجھا۔ کیونکہ مذہبی علماء نے بحیثیت فن دونوں کی مذمت کی ہے۔ اس وجہ سے عربی اور فارسی شعراء نے اس موضوع کو کبھی نہ چھُوا۔ ڈرامے کو مسلمانوں کی سماجی زندگی میں کوئی حیثیت حاصل نہیں ہوئی [۱]

اُردو میں ڈرامہ کا لفظ انگریزی زبان کے اثرات سے مستعمل ہوا ہے۔ دنیا کے ڈرامائی ادب کے مقابلے میں اردو ڈرامے کی عمر ابھی بہت کم ہے۔ اردو میں بہت دنوں تک اسے سنجیدہ صنف نہیں سمجھا گیا۔ اور اُردو ادب کی دوسری اصناف کے مقابلے میں اُردو ڈرامے کی طرف بہت کم توجہ کی گئی" اب کچھ عرصہ سے اس کی اہمیت کو محسوس کیا جانے لگا ہے اور اُردو ڈرامے کے پس منظر اور ارتقاء پر کچھ کتابیں منظرعام پر آئی ہیں۔ محمد عمر اور نورالٰہی کی کتاب " ناٹک ساگر" (دنیائے ڈراما کی تاریخ) اردو میں پہلی کتاب ہے جس میں دنیا بھر کے مشاہیر ڈرامہ نگاروں اور ایکٹروں کے سوانح حیات جملہ ممالک عالم میں اسٹیج کے عروج وزوال کے اسباب اور فن ڈرامہ کی ارتقائی کیفیت' ڈراما اور اسٹیج کے محاسن وعیوب بیان کئے گئے ہیں۔ اس ضخیم کتاب کے علاوہ بادشاہ حسین کی کتاب " اُردو میں ڈراما نگاری" ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کی " اردو ڈراما" سید مسعود حسن رضوی ادیب کی" اردو ڈراما اور اسٹیج ابتدائی دَور کی مفصل تاریخ" ڈاکٹر صفدر آہ کی " ہندوستانی ڈراما" ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کا مقالہ " اُردو تھیٹر" پروفیسر محمد اسلم قریشی کی کتاب " ڈرامہ نگاری کا فن" عشرت رحمانی کی کتابیں اُردو ڈراما کا ارتقاء اور ڈراما تاریخ وتنقید' ڈاکٹر عطیہ نشاط کی" اردو ڈراما روایت اور تجربہ" ڈاکٹر انجمن آراء انجم کی " آغا حشر کاشمیری اور اُردو ڈراما" ابراہیم یوسف کی " اندرسبھا اور اندرسبھائیں" وغیرہ جیسی قابل ذکر کتابیں منظرعام پر آچکی ہیں۔ لیکن ان سب کتابوں میں اُردو کے پہلے ڈرامہ نگار کے متعلق مختلف آراہیں۔ اُردو ڈراما کی ابتدا کب ہوئی؟ کس نے کی؟ کہاں کی گئی اور سب سے پہلا ڈرامہ کس نے لکھا اور کب اسٹیج کیا گیا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جس کے بارے میں محققین کسی رائے پر متفق نہیں ہیں۔

---

[۱] ڈاکٹر سید عبداللطیف: دی انفلوئنس آف انگلش لٹریچر آن اُردو لٹریچر مطبوعہ لندن ۱۹۲۴ء ص ۹۷

اُردو کے ابتدائی ڈرامے اور اُن کی حقیقت

رادھا کنھیا کا قصہ :

نواب واجد علی شاہ کے عہد میں رقص و سرور کو خوب فروغ ہوا۔

متعدد محققین نواب واجد علی شاہ کو اُردو کا پہلا ڈرامہ نگار مانتے ہیں۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی رائے میں سلطان عالم واجد علی شاہ اختر کا " رادھا کنھیا کا قصہ " اُردو کا پہلا ڈرامہ ہے۔ عشرت رحمانی بھی ڈراما نگار کی حیثیت سے اولیت تو نواب واجد علی شاہ ہی کو دیتے ہیں لیکن " رادھا کنھیا کا قصہ " کی جگہ ان کے " افسانہ عشق " کو اُردو کا پہلا منظوم ڈراما اور اوپیرا (OPERA) کی پہلی پیش کش بتاتے ہیں۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب " رادھا کنھیا کا قصہ " کو اُردو کا پہلا ڈراما قرار تو دیتے ہیں لیکن خود اُن کا بیان ہے کہ یہ پورا ڈراما ایک مسلسل بیان (یعنی قصہ) کی صورت میں لکھا گیا ہے اور پھر یہ قصہ نواب واجد علی شاہ کی کتاب " بنی " میں شامل ہے جو سنہ ۱۲۹۲ھ م ۱۸۷۵ء کی تصنیف ہے۔ " بنی " میں رادھا کنھیا کا ایک دوسرا قصہ بھی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف کے وقت نواب واجد علی شاہ کو کلکتے میں رہتے ہوئے بیس برس ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کی رائے میں نواب واجد علی شاہ کے یہ " رہس " محض ہدایت کاری، موسیقی، اور رقص پر مشتمل ہیں۔ یہ مقصدیت سے عاری ہیں، ان میں اداکاری نام کو نہیں۔ مکالمے اور مناظر بھی ناپید ہیں۔ ان کو صرف موسیقی اور رقص کا امتزاج کہا جا سکتا ہے[۱]۔

اندر سبھا : رام بابو سکسینہ نے آغا حسن امانت کی " اندر سبھا " کو اُردو کا پہلا ڈراما قرار دیا ہے۔ نورالہیٰ و محمد عمر بھی امانت کو اردو ڈراما کا باوا آدم مانتے ہیں۔ امانت کی " اندر سبھا " سنہ ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء میں لکھی گئی۔ عشرت رحمانی اور پروفیسر مسعود حسن رضوی نے لکھا ہے " اندر سبھا " سنہ ۱۲۷۰ھ / ۱۸۵۳ء میں پہلی مرتبہ اسٹیج ہوئی اور سنہ ۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۴ء میں پہلی بار مطبع محمدی لکھنؤ سے شائع ہوئی۔ " اندر سبھا " کو اکثر مصنفین اور خود امانت نے جلسہ رہس کہا ہے۔ کیونکہ اس کا آدھا حصہ تو صرف پریوں کی آمد اور ان کے گانے اور رقص سے بھرا پڑا ہے۔ اسی لیے ابراہیم یوسف نے لکھا ہے : " اندر سبھا " میں سے اگر قصہ نکال دیا جائے تو وہ رقص و موسیقی کی محفل بن کر رہ جاتی ہے[۲]۔ انسائکلو پیڈیا آف اسلام (جلد دوم ص : ۳۶۵ مطبوعہ لاہور) کے مقالہ نگار کا بیان ہے کہ اندر سبھا میں ہندی دیومالا کو اسلامی روایات میں سمو کر خاص کیفیت پیدا کی گئی ہے۔

راجہ گوپی چند اور جلندھر

ڈاکٹر عبدالعلیم نامی اپنے مقالے " اُردو تھیئٹر " میں واجد علی شاہ کا نام تو سرے سے لیتے ہی نہیں۔

---

[۱] ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی : واجد علی شاہ کی ایک نایاب تصنیف مطبوعہ " نقوش " لاہور فروری مارچ سنہ ۱۹۵۳ء

[۲] ابراہیم یوسف : اندر سبھا اور اندر سبھائیں ص ۸۶ مطبوعہ لکھنؤ سنہ ۱۹۸۰ء

وہ امانت کی "اندر سبھا" کو بھی اُردو کا پہلا ڈرامہ نہیں مانتے اُن کی رائے میں" راجہ گوپی چند اور جلندھر" اُردو کا پہلا ڈراما ہے جسے ۲۶ر نومبر ۱۸۵۳ء میں پہلی بار بمبئی میں اسٹیج پر پیش کیا گیا۔ اس ڈرامہ کے متعلق ڈاکٹر مسیح الزماں رقم طراز ہیں :

"ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کا خیال ہے کہ یہ ڈراما (راجہ گوپی چند اور جلندھر) اُردو میں تھا لیکن نہ انھوں نے اس کی کہانی بیان کی ہے نہ کوئی اقتباس پیش کیا ہے نہ کسی کتاب رسالے یا اخبار میں اس کے ذکر کا حوالہ دیا ہے جس سے یہ اندازہ کیا جا سکے کہ اس کی زبان کس حد تک اُردو تھی۔ "راجہ گوپی چند اور جلندھر" کو انھوں نے خود بھی نہیں پڑھا نہ اُسے دیکھا اور نہ ان کے علم میں اس کے کسی نسخے کا وجود ہے"[1]

ایک سوانگ کا قصہ

پروفیسر خواجہ احمد فاروقی نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ رسالہ اُردوئے معلّٰی قدیم اُردو نمبر دہلی یونیورسٹی میں اُردو کے "ایک قدیم ترین ڈرامے" "ایک سوانگ کا قصہ" کا تذکرہ کیا ہے جو انہوں نے لندن میں اپنے ایک انگریز دوست کے پاس دیکھا تھا۔ ان کی رائے میں یہ مخطوط اُردو کا اولین ڈرامہ نہیں تو اُردو کے قدیم ڈراموں میں ضرور شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی نظر سے اس ڈرامہ کا جو مخطوط گذرا ہے اس پر نہ سنِ کتابت ہے اور نہ سنِ تصنیف اور نہ مصنف کا نام۔ انھوں نے اس ڈرامہ کا جو مختصر اقتباس دیا ہے۔ اس میں مکالمے بہت ثقیل زبان میں اور لمبے ہیں قصہ بھی بہت مختصر سا ہے۔ جب تک اس ڈرامہ کی تاریخ تصنیف معلوم نہ ہو اُسے اُردو کا اولین ڈرامہ قرار نہیں دے سکتے۔ پروفیسر فصیح احمد صدیقی تو اُسے ڈرامہ ماننے سے انکار کرتے ہیں۔ اس ڈرامے کی تفصیلات سے اُردو دنیا ہنوز محروم ہے۔

خورشید

ڈاکٹر مسیح الزماں کی تحقیق کے مطابق "خورشید" اُردو تھیٹر کا پہلا ڈراما ہے جسے بہرام جی فریدوں جی مرزبان نے ۱۸۷۱ء میں گجراتی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر عطیہ نشاط کی رائے میں "یہ جدید اُردو اسٹیج کا قدیم ترین اُردو ڈرامہ ہے"۔ انھوں نے لکھا ہے :

"یہ اُردو کا پہلا ڈرامہ ہے جس میں نثر میں مکالمے رکھے گئے ہیں"[2]

---

[1] ڈاکٹر مسیح الزماں : اُردو ڈراما انیسویں صدی میں مطبوعہ شبستان الہ آباد جولائی ۱۹۶۷ء
[2] ڈاکٹر عطیہ نشاط : اُردو ڈراما روایت اور تجربہ ص ۵۶ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۳ء

صولت عالم گیری

بعض ناقدین سید ابو الفضل الفیاض کے ڈرامہ "صولتِ عالم گیری" مطبوعہ ۱۸۷۵ء کو اُردو کا اولین ڈرامہ قرار دیتے ہیں کہ وہ طبع زاد ہے جس کے تمام مکالمے نثر میں لکھے گئے ہیں اور جو پورا کا پورا دستیاب ہے۔

اُردو ڈرامے کے ارتقا میں اہلِ یورپ کا حصہ

حقیقت یہ ہے کہ اُردو ڈرامے کی نشوونما اس وقت ہوئی جب مغربی تمدن و ادب سے ہم اور ہمارا ادب قریب ہوئے۔

رام بابو سکسینہ کا بیان ہے:

"یہ مسئلہ کہ آیا اُردو ڈرامے کی ترقی میں یورپ والوں نے کوئی حصہ لیا یا نہیں ہنوز مابہ النزاع ہے، مولوی عبدالحلیم شرر مرحوم اس کو نہیں مانتے۔ ان کا خیال تھا کہ کسی یورپین نے اردو ڈراما کی ترقی میں کوئی حصہ نہیں لیا یہ معاملہ تاریکی میں چھپا ہوا ہے اور اس زمانہ کی کوئی معتبر تاریخ ایسی نہیں ملتی جس سے اس پر کافی روشنی پڑ سکے مگر اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یوروپین لوگوں نے اُردو ڈراما کو زمانہ حال کے مطابق بنانے اور اسٹیج کے ساز و سامان اور تیاری میں کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لیا ہوگا۔" [۱]

ڈرامہ کی توسیع و اشاعت میں پرتگیزوں کا حصہ

مغربی ممالک میں ڈرامہ وہاں کی ادبی اور تہذیبی زندگی کا اہم جز سمجھا جاتا ہے۔ یورپ کے تمام ملکوں میں اس فن کو ترقی ہوتی رہی اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جب ہندوستان کی دولت یورپی سامراج کو ہندوستان لاتی رہی تو انھوں نے تجارت کرتے کرتے یہاں اپنے مقبوضات بنا لیے اور تفریحِ طبع کے لیے ڈرامے بھی کرنے لگے تاکہ دل بہل سکے۔ تفریح کے علاوہ ان لوگوں کے ساتھ عیسائی پادریوں کا گروہ بھی ہوتا تھا جو اپنے مذہب کا پرچار کرتے رہتے تھے۔ اسی پرچار کی بدولت معجزاتی ڈرامے (MIRACLE PLAYS) وجود میں آئے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی زندگی کے مختلف واقعات

---

[۱] تاریخ ادب اُردو (حصہ نثر) از رام بابو سکسینہ مترجم مرزا محمد عسکری (ص ۱۴۶ تا ۱۴۷) مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۵۲ء

کو ڈراموں کی شکل میں پیش کرنے شروع کیے[۱]۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالعلیم نامی نے لکھا ہے کہ پرتگالیوں نے شرق قریب و بعید اور دیگر ممالک کی تجارت سے دولت کثیر حاصل کی تھی اور انتہائی مذہب پرست واقع ہوئے تھے۔ اس لئے وہ حضرت عیسیٰ کی زندگی کے اہم پہلو بغرض فلاح عام و خاص ہندوستانی زبان میں دکھلاتے تھے۔ وہ اپنی مذہب پرستی میں اس قدر سرمست تھے کہ یورپ کے تھیٹروں خاص کر فرینچ اور اسپین میں جو اصلاحات و ایجادات ہوتی تھیں وہ جلد سے جلد ہندوستانی اسٹیج پر رائج کر دیتے تھے۔ ترمیم و تنسیخ اور ترقی کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک پرتگیز مشرق و مغرب میں حکمراں اور وسط دکن اور دہلی آگرہ اور اس کے قرب و جوار میں باشندگان ہند کو آسمانی روشنی دکھلانے کے لئے قائم و دائم رہے۔ ۱۵۵۰ء کے بعد سے ہندوستانی یا ماڈرن اردو اسٹیج میں ڈرامے دکھلائے جانے لگے تھے"[۲]

افسوس ڈاکٹر نامی اس وقت کے ڈراموں کا کوئی نمونہ پیش نہ کر سکے۔ تبلیغی سرگرمیوں کے لئے یقیناً پرتگالیوں نے اردو زبان استعمال کی ہوگی جب کہ ہم یہ جانتے ہیں پرتگیزوں نے اردو کی توسیع و اشاعت میں بڑی دلچسپی لی ہے۔ یہاں پادری شلز کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا جس نے اردو کی ایک قواعد لکھی تھی جو ۱۷۴۴ء میں طبع ہوئی۔ اسی پادری نے ۱۷۴۸ء میں بائبل کا اردو زبان میں ترجمہ بھی کیا تھا۔[۳]

ڈرامہ کی توسیع و اشاعت میں انگریزوں کا حصہ

فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس: ہندوستان کی بساطِ سیاست پر جب انگریزوں نے اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے تو انگلستان سے آنے والے جونیر انگریز سیول اور فوجی ملازمین کے لئے جنھیں منشی (WRITER) کہا جاتا تھا مقامی زبانوں اور ہندوستانی تہذیب و تمدن سے آشنا کرنے کے لئے جوزف کلکٹ (JOSEPH COLLECT) گورنر مدراس نے ۱۷۱۷ء میں مدراس میں فورٹ سینٹ جارج اسکول کی بنیاد ڈالی جو رائٹرس کالج (WRITERS' COLLEGE) بھی کہلاتا تھا اور آگے چل کر یہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا پہلا تعلیمی ادارہ تھا جہاں جونیر انگریز

۱؎ ڈاکٹر عطیہ نشاط: اردو ڈراما روایت اور تجربہ ص: ۷۷ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۳ء

۲؎ ڈاکٹر عبدالعلیم نامی: اردو تھیٹر جلد اول ص: ۱۴۳ مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان ۱۹۶۲ء

۳؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم الحروف کا مقالہ "مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما" جلد اول ص: ۲۰۱ نیز فورٹ سینٹ جارج کالج مطبوعہ حیدر آباد ۱۹۷۹ء

ملازمین رائٹرس (WRITERS) کی تعلیم و تربیت کا باقاعدہ انتظام کیا گیا تھا۔ کیونکہ انگلستان یا بنگال اور خود کلکتہ میں بھی ان جونیئر ملازمین کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ۱۷۶۵ء کے قانون کے ذریعہ جونیئر ملازمین کا باقاعدہ تقرر ہونے لگا۔ ان کی بھرتی انگلستان میں ہوتی اور اس عہدے کے لئے عموماً ایسے نوجوانوں کو منتخب کیا جاتا جو ہندوستان میں ملازمت کے خواہشمند ہوتے اور جن کی عمریں پندرہ سے اٹھارہ سال کے درمیان ہوتیں ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ سیول (کشوری) اور ملٹری (فوجی) دونوں ذمہ داریاں پوری کریں گے۔[1]

مدراس کے "اعظم الاخبار" نے اپنے ایک اداریے میں مسلمانوں کو انگریزوں سے سبق حاصل کرنے کا مشورہ دیا تھا اور بتایا تھا کہ انگریز اپنے بچوں کی تربیت کی طرف بطور خاص توجہ کرتے ہیں اور کم عمری ہی میں وہ تربیت سے فارغ ہو کر ملازمت کے لئے دوسرے ممالک کو چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ اخبار لکھتا ہے:

> "انگریزوں کی تربیت دیکھو کہ بارہ سال کی عمر والے پندرہ سال کی عمر والے تربیت سے فارغ ہو اپنا شہر چھوڑ کر پرملک (دوسرے ملک یعنی ہندوستان) کو پیدائش (ملازمت) کے لئے آتے ہیں۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ دیکھے دیکھاتے ان کی تربیت کا ڈھب نہیں سیکھتے۔ بیس سال تیس سال کے ہو تربیت پانے کا خیال کرتے ہیں۔ خاک پڑو ایسے خام خیال پر کیا یہی وقت تربیت پانے کا ہے"
>
> (اعظم الاخبار نمبر ۹ جلد ۵ مورخہ ۴ ڈسمبر ۱۸۵۱ء)

فورٹ ولیم کالج کلکتہ

فورٹ سینٹ جارج اسکول کے قیام کے تراسی سال بعد گورنر جنرل لارڈ ویلزلی نے ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی داغ بیل ڈالی۔ اس کالج کے قیام کا مقصد بھی ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ولایت سے نو وارد انگریز سیول اور فوجی ملازمین کو ہندوستانی زبانوں بالخصوص اردو کی تعلیم دینا تھا۔ تاکہ جہاں بھی وہ تعینات کیے جائیں وہاں کے باشندوں سے گفت و شنید کے ذریعہ نہ صرف کمپنی کی تجارت کو فروغ دے سکیں بلکہ اس کی حکومت کو مستحکم اور پائیدار بھی بنا سکیں۔

اردو نثر اور ڈرامہ کے ارتقاء میں فورٹ ولیم کالج اور فورٹ سینٹ جارج کالج کا حصہ

اردو زبان و ادب خاص طور پر اردو نثر کی ترویج و ترقی کی تاریخ میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور

---

[1] ڈاکٹر بی۔ بی۔ مشرا: دی سنٹرل ایڈمنسٹریشن آف دی ایسٹ انڈیا کمپنی ص: ۳۸۰ تا ۳۸۳

فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ ان اداروں میں نہ صرف بڑی مماثلت اور مشابہت تھی بلکہ دونوں اداروں کے مقاصد بھی یکساں تھے ۔ اور انھوں نے ایک جیسے کارنامے انجام دیئے ہیں ۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی وجہ سے اردو نثر کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ۔ اس کالج کے مصنفوں نے اردو نثر کا ایک ایسا اسلوب اختیار کیا جو بعد کے مصنفوں کے لئے چراغِ راہ ثابت ہوا ۔ یہ تحریک ہندوستان کی سب سے پہلی شعوری و اجتماعی ادبی و لسانی تحریک تھی جس نے اردو نثر کی رفتار ترقی کے لئے مہمیز کا کام کیا اور اسے وہ قوت و توانائی عطا کی کہ نصف صدی کی مختصر مدت میں اردو زبان کے اندر مختلف مضامین و مباحث کامیابی کے ساتھ ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ۔ اسی طرح اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنوبی ہند میں اردو کی ترویج و ترقی اور اشاعت میں فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس نے وہی کردار ادا کیا جو شمال مشرقی ہند میں فورٹ ولیم کالج کلکتہ نے ادا کیا ہے ۔ اگر ان میں تفریق و تمیز کی کوشش کی جائے تو محض اس قدر کہا جاسکتا ہے کہ جس زمانے میں فورٹ ولیم کالج شمال مشرقی ہندوستان میں اردو کی تہذیب و ترقی اور ترویج و اشاعت کی خدمات انجام دے رہا تھا فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس جنوبی ہند میں اس کی قدیم شکل یعنی "دکنی" کے فروغ کی خاطر سرگرم عمل تھا ۔ مجموعی طور پر ان دونوں اداروں نے اردو زبان و ادب کی ترقی و اشاعت میں عہد ساز کارنامے انجام دیئے ہیں ۔ نہ تو ان کی خدمات سے چشم پوشی کی جاسکتی ہے اور نہ اردو زبان و ادب کا کوئی مورخ ان کے تذکرہ سے دامن کشاں گزرسکتا ہے۔[1]

فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس کے ارباب اقتدار بہترین تصانیف پر انعام و اکرام کا اعلان کرکے کالج سے متعلق اور غیر متعلق مصنفین کو تصنیف و تالیف کے کام میں عملی شرکت کی طرف راغب کرتے تھے ۔ جس کے نتیجے میں متعدد مفید، کارآمد اور غیر فانی شاہ کار وجود میں آئے ۔ ان کالجوں کے علاوہ خود ایسٹ انڈیا کمپنی نے مدراس گورنمنٹ کے ایسے ملازم طلبہ کو جو سات مقامی زبانوں میں سے کم از کم دو زبانوں میں مہارت حاصل کرلیتے تھے ۔ انعامات سے نوازا کرتی تھی ۔ مدراس کے گورنر سر ہنری پاٹنجر (SIR HENRY POTTINGER) نے سوپریم گورنمنٹ کے حکم پر ایک اعلان '' یونیٹڈ سروس گزٹ '' میں شائع کروایا تھا ۔ اس اعلان کو مدراس کے مشہور اردو اخبار " اعظم الاخبار " نے بھی شائع کیا تھا جو حسب ذیل ہے :

" مدراس کے گورنر سر ہنری پاٹنجر صاحب بہادر سوپریم گورنمنٹ کے حکم (کے) موافق اس ملک کے تمام شمشیر بند سرداروں (فوجی ملازمین) کو اطلاع دیتے ہیں کہ اگر کوئی سردار ان سات

---

[1] ڈاکٹر سمیع اللہ : فورٹ ولیم کالج اور فورٹ سینٹ جارج کالج (ایک تقابلی مطالعہ) ص: ۱۷ "جامعہ" دہلی ستمبر ۱۹۸۲ء

زبانوں میں سے دو زبان یا زیادہ سیکھ کے امتحان دیوے تو اس کو سرکار کی طرف سے ایک مشت (ایک) ہزار روپے انعام ملیں گے۔ سوائے اس کے وے (وہ) لوگ معقول خدمتوں پر مامور ہوویںگے"۔

(اعظم الاخبار نمبر ۲۶ جلد ۵ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۸۵۲ء)

مقامی زبانیں سیکھنے والے عہدیداروں کی حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے اکثر "سولجر" (سپاہی) اردو (ہندی) اور فارسی وغیرہ مختلف السنہ سے اچھی طرح واقف ہوگئے تھے اور ان زبانوں میں وہ اس طرح گفتگو کرتے تھے گویا یہ ان کی مادری زبانیں ہوں۔ چنانچہ "اعظم الاخبار" کے ایڈیٹر اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قلعہ (فورٹ سینٹ جارج) میں اکثر سولجر (سپاہی) ہندی (اردو) اور فارسی زبان خوب جانتے تھے اور لکھنے پڑھنے کا بھی اچھا سلیقہ رکھتے تھے چنانچہ کئی سولجرز کو ہم دیکھے کہ وے (وہ) فارسی گفتگو اس طور پر کرتے تھے کہ قابلوں کے سوائے دوسروں کو ان کی تقریر سمجھنا دشوار ہوجاتا تھا"۔

(اعظم الاخبار نمبر ۲۶ جلد ۵ مورخہ ۲۲ اپریل ۱۸۵۲ء)

"اعظم الاخبار" مدراس کے اڈیٹر مولوی سید محمد نے اپنے ایک اور اداریے میں انگریزوں کی سیاسی پالیسی کی کامیابی کا ایک راز یہ بتاتے ہیں کہ پہلے انھوں نے اپنے مفتوحین کی زبان سیکھی اور اس کے ذریعہ سے ان کی معاشرت اور ان کے تصورات زندگی کو سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ لکھتے ہیں:

"ان کی دانائی اور فراست کا خیال کیجیئے کہ یہ لوگ جس ملک میں گئے پہلے تو ان کی زبان سیکھ لیئے پھر اس ذریعے سے وہاں کے تمامی آئین پر خوب واقف ہوگئے۔ ہندامیں آئے تو ہندی (اردو) اور جتنے زبان کے یہاں مروج ہیں سب سیکھے۔ پھر عجم کو گئے تو فارسی سیکھ لیئے اور ترکستان آئے تو ترکی وغیرہ زبانیں حاصل کرچکے جب عربستان میں آئے تو عربی تحصیل کیئے"۔

(اعظم الاخبار نمبر ۳۲ جلد ۵ مورخہ ۳ جون ۱۸۵۲ء)

مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد برطانوی سامراج نے ڈیڑھ سو سال کی طویل مدت تک برصغیر ہند و پاک کے وسیع و عریض علاقوں پر حکمرانی کی۔ ایک طرف تو انھوں نے ہندوستان جنت نشان کی بہت ساری دولت لوٹی اور معاشی حیثیت سے ہندوستان کو پست ماندہ بنا کر چھوڑا۔ لیکن ساتھ ساتھ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے اس سرزمین کی زبانوں، ثقافت، تاریخ اور زندگی کے دیگر شعبوں کے مطالعہ

میں گہری دلچسپی لی ۔ عوامی رابطے کی حیثیت سے انہوں نے اُردو زبان کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے مدراس میں فورٹ سینٹ جارج کالج، کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج اور انگلستان میں ہیلی بری کالج کی بنیاد ڈالی ۔ انہوں نے جہاں حکمران جماعت کے افراد کو برصغیر کی مقبول عام زبان میں شد بد پیدا کر کے ملکی معاملات انجام دینے کے قابل بنایا وہیں ان تعلیمی اداروں نے اردو زبان و ادب کی ترقی میں جو گراں قدر حصہ لیا ہے اس کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ ہندوستان میں طباعت اور صحافت کی ابتدا بھی انگریزوں ہی کی دین ہے ۔

اُردو میں ڈرامہ کی ابتداء :

اُردو لٹریچر، ڈرامہ کے عنصر سے بالکل خالی تھا ۔ اُردو میں ڈرامہ کا لفظ انگریزی زبان کے اثرات اور انگریزوں کی وجہ سے مستعمل ہوا ہے ۔ انگریزوں ہی کی کوششوں سے چند عمدہ ڈرامے تصنیف اور ترجمہ ہوئے ۔ پہلی بار فورٹ ولیم کالج سے منتقل اعلیٰ ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی فرمائش پر ۱۸۰۱ء میں کاظم علی جوان نے للولال جی کی مدد سے سنسکرت کے مشہور ناٹک "شکنتلا" کو آسان اُردو نثر میں منتقل کیا ۔ یہ کتاب ۱۸۰۲ء میں فورٹ ولیم کالج کی جانب سے شائع ہوئی اور مقبول ہوئی ۔ اس طرح اس ناٹک کی بدولت اُردو میں نوٹنکی، سوانگ، رام لیلا، راس لیلا اور رہس کی ابتداء ہوئی ۔ نواب واجد علی شاہ کے رہس، امانت کی اندر سبھا اور دیگر سبھائیں اسی کا نتیجہ ہیں ۔

انگریزوں نے باقاعدہ تھیٹر قائم کیئے

انگریزوں نے باقاعدہ تھیٹر بھی قائم کیئے تھے ۔ جہاں وہ تفریح اور دل بہلائی کے لئے ڈرامے کرتے تھے ۔ یہ ڈرامے زیادہ تر چھاؤنیوں میں یا ایسے مقامات پر ہوتے تھے جہاں انگریزوں کی بڑی تعداد مقیم تھی ۔ صفدر آہ کا بیان ہے ہندوستان میں پہلا انگریزی تھیٹر اٹھارویں صدی کے وسطے میں کلکتے میں تعمیر ہوا[۱] ڈاکٹر عبد العلیم نامی کی تحقیق کے بموجب بمبئی میں ۱۷۵۰ء میں ایک انگریزی تھیٹر موجود تھا[۲] بمبئی میں مغربی انداز کے اسٹیج پر اُردو میں کچھ ڈرامے پیش کرنے کی کوششیں نومبر ۱۸۵۳ء سے

۱؎ ڈاکٹر صفدر آہ : ہندوستانی ڈراما ص ۸۹ مطبوعہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا ۱۹۶۲ء

۲؎ ڈاکٹر نامی : اُردو تھیٹر جلد اول ص ۱۴۳ مطبوعہ انجمن ترقی اُردو کراچی ۱۹۶۲ء

شروع ہوئیں۔ لیکن ۱۸۷۱ء تک جو اردو ڈرامے تیار کئے گئے ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اب تک بمبئی کے جدید اردو اسٹیج کا جو قدیم ترین ڈرامہ ملا ہے وہ "خورشید" ہے جسے ۱۸۷۱ء میں بہرام جی فریدوں جی مرزبان نے گجراتی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔

کلکتہ اور بمبئی کی طرح انگریزوں نے مدراس میں بھی تھیٹر قائم کیے جو اُن کا اصل گڑھ تھا لیکن یہاں کے قدیم ترین انگریزی تھیٹر کا پتہ نہ چلا۔ صفدر آہ کا بیان ہے کہ یہاں تھیٹر کی ابتداء انیسویں صدی کے ربع آخر میں ہوئی۔ ۱۸۹۸ء میں یہاں پہلی پیشہ ور تھیٹریکل کمپنی کھلی جس کا نام "میوزیم تھیٹر" تھا۔ یہاں کے خواص نے اسی کے بعد تھیٹر دیکھنا شروع کیا۔[1] حالانکہ مورخ ایچ۔ ڈی۔ لو (H-D. LOVE) کا بیان ہے کہ ۱۸۲۷ء میں فورٹ سینٹ جارج کالج کے لئے ایک مال [illegible] مسٹر موراٹ (MR- MOORAT) کا مکان نو ہزار روپے کے سرمایہ سے خریدا گیا۔ اس عمارت کا ایک وسیع اور شاندار کمرہ "کالج ہال" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ جہاں برسوں مختلف ڈرامائی تماشے ہوتے رہے۔[2]

اردو کا پہلا نثری ڈرامہ: علی بابا چالیس چور

راقم الحروف کو بڑی تحقیق اور تلاش کے بعد فورٹ سینٹ جارج کالج میں تیار کئے جانے والے ایک مشہور اردو ڈرامے "علی بابا چالیس چور" کا پتہ چلا۔ موجودہ تحقیق کے بموجب یہ اردو کا قدیم ترین نثری ڈرامہ ہے جو ۱۸۵۲ء میں مدراس سے شائع بھی ہوا۔ یہ ایک طربیہ ڈراما یا کومیڈی ہے اس میں قصہ کا انجام خوش گوار ہے۔ خوش قسمتی سے یہ ڈرامہ مطبوعہ حالت میں پورے کا پورا دستیاب ہوا ہے۔ یہ ڈرامہ واجد علی شاہ اختر کی کتاب "بنی" (مطبوعہ ۱۸۷۵ء) سے چوبیس سال پہلے، منظوم ڈرامہ "اندر سبھا" (مطبوعہ ۱۸۵۴ء) سے دو سال پہلے، گوپی چند اور جالندھر (۱۸۵۳ء) سے ایک سال پہلے اور سیٹھ بہرام جی فردوں جی مرزبان کے نثری ڈرامہ "خورشید" (۱۸۷۱ء) سے بیس سال پہلے مدراس سے شائع ہوا ہے اس طرح یہ اردو کا پہلا مطبوعہ ڈرامہ ہے جو نثر میں لکھا گیا ہے۔ اردو میں اس صنف کو روشناس کرانے والا ایک انگریز فوجی افسر کیپٹن گرین آوے تھا۔

اردو کا پہلا ڈرامہ نگار: کیپٹن گرین آوے

کیپٹن گرین آوے (CAPT. GREENAWAY) افواج مدراس میں کیپٹن کے عہدہ پر مامور تھے۔

---

[1] صفدر آہ: ہندوستانی ڈراما ص ۱۱۷ مطبوعہ نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا ۱۹۶۲ء

[2] ایچ ڈی لو: ڈسکرپٹو لسٹ آف پکچرز ان گورنمنٹ ہاؤس ص: ۳۴ مطبوعہ مدراس ۱۹۰۳ء

ان کا تعلق فوج کی چھیالیسویں رجمنٹ سے تھا۔ وہ فورٹ سینٹ جارج کالج کے فارغ التحصیل تھے۔ وہ ایک عظیم فن کار اور عظیم ڈرامہ نگار تھے۔ دکنی زبان میں انھیں بڑی مہارت تھی۔ انھیں شعر و شاعری سے بھی بڑی دلچسپی تھی وہ شعر کہتے تھے۔ ان کی دو غزلیں اس کتاب میں موجود ہیں۔ افسوس اس عظیم فن کار سے متعلق مزید تفصیلات نہیں ملتیں۔

کیپٹن گرین آوے نے مشہور و معروف داستان الف لیلیٰ کے ایک مشہور قصے "علی بابا اور چالیس چور" کو ڈرامہ کے انداز میں لکھا ہے۔ سرورق کی عبادت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسے انھوں نے ہندوستانی (اردو) زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ لیکن اس کا پتہ نہیں چلتا کہ انھوں نے اسے کس زبان سے ہندوستانی میں منتقل کیا تھا۔ کیپٹن گرین آوے نے اس مشہور قصہ کو اس خوبی اور محنت سے اُردو کا جامہ پہنایا ہے کہ انھیں مترجم کے بجائے مولف کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔ پوری کتاب آسان، سلیس اور بامحاورہ دکنی زبان میں لکھی گئی ہے جسے مترجم نے ہندوستانی کہا ہے۔ اس ڈرامہ پر ترجمہ سے زیادہ تخلیق کا گمان ہوتا ہے اسے کسی حال لفظی ترجمہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ تالیف کی صورت ہوگئی ہے۔

تعلیم الاخبار پریس : نو آموز سرداروں کی تعلیم میں اُس کا حصہ

کیپٹن گرین آوے کا ڈرامہ "علی بابا یا چالیس چور" ۱۸۵۲ء میں تعلیم الاخبار پریس سے شائع ہوا تھا جو مدراس کا ایک مشہور پریس تھا۔ اس کے مالک منشی سید حسین اور غلام حسین تھے۔ اس پریس کی جانب سے "تعلیم الاخبار" کے نام سے ایک اخبار بھی منشی سید حسین کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ اس کا پہلا پرچہ ۲ محرم ۱۲۶۸ھ م ۱۷ نومبر ۱۸۵۱ء کو شائع ہوا تھا۔ ۱۸۵۳ء میں بھی یہ اخبار جاری تھا۔ اس اخبار نے تھوڑے سے ہی دنوں میں کافی مقبولیت حاصل کرلی تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نو آموز سرداروں کی تعلیم میں اس اخبار کا بڑا حصہ رہا ہے جس کا اعتراف مشہور معاصر اخبار "اعظم الاخبار" نے بھی کیا تھا۔ جس کا تفصیلی تذکرہ ہماری کتاب "جنوبی ہند کی اُردو صحافت ۱۸۵۷ء سے پیشتر" مطبوعہ ۱۹۸۱ء میں موجود ہے۔

ڈرامہ "علی بابا یا چالیس چور" کا تجزیاتی مطالعہ

"علی بابا اور چالیس" داستان الف لیلہ کا مشہور و معروف قصہ ہے اور "الف لیلہ" دنیا بھر میں کہانیوں کا سب سے مقبول مجموعہ ہے۔ اس کی مشہور کہانیاں بصرہ و بغداد (عراق)، دمشق (شام)، قاہرہ (مصر) کی معاشرت کی بڑی عمدہ اور جیتی جاگتی تصویریں پیش کرتی ہیں۔ اپنی بے پناہ مقبولیت کی وجہ سے

یہ داستان دنیا کی بیشتر زبانوں میں منتقل ہو چکی ہے۔ اس کے متعدد نسخے جہاں عربی، فارسی، ترکی، انگریزی فرانسیسی، جرمن، اطالوی، روسی، یونانی اور ہسپانوی زبانوں میں موجود ہیں وہیں دیسی زبانوں میں اب تک مراٹھی، گجراتی، بنگالی اور ہندی وغیرہ میں اس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ خود اردو میں الف لیلہ کے (١٣) ترجمے موجود ہیں۔ اردو میں پہلی بار ۱۸۳۶ء میں داستان الف لیلہ کی سو راتوں کا راست عربی سے اردو ترجمہ فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس کی جانب سے "حکایات الجلیلہ" کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے مترجم اسی کالج کے مشہور استاد منشی شمس الدین احمد تھے۔ اس داستان کی دوسری جلد بھی جس کے مترجم منشی شمس الدین احمد ہی تھے ۱۸۳۹ء میں فورٹ سینٹ جارج کالج کے جانب سے شائع ہوئی۔ اس میں مزید سو راتوں کا قصہ ہے[۱]۔ "حکایات الجلیلہ" کا ماخذ شیخ احمد بن محمود کی عربی الف لیلۃ ولیلہ ہے۔ یہ کتاب ۱۸۱۸ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی[۲]۔ منشی شمس الدین احمد کی "حکایات الجلیلہ" اتنی مقبول ہوئی کہ اسے فورٹ سینٹ جارج کالج کے نصاب میں شریک کیا گیا۔ ساتھ ہی مزید راتوں کے ترجموں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ منشی شمس الدین احمد کے علاوہ اس مقبول عام داستان کے اردو مترجمین میں عبدالکریم (فارسٹر کی انگریزی الف لیلہ کا ترجمہ ۱۸۴۲ء) حسن علی خاں کی الف لیلہ ۱۸۴۴ء اور حیدر علی فیض آبادی کی الف لیلہ ۱۸۴۷ء قابل ذکر ہیں۔ جو کیپٹن گرین آدے کے ڈرامے "علی بابا یا چالیس چور" مطبوعہ ۱۸۵۲ء سے بیشتر شائع ہوئے۔

پلاٹ

کیپٹن گرین آدے کا ڈرامہ "علی بابا" دس ایکٹ پر مشتمل ہے۔ ایکٹ یا سین کے لئے انھوں نے "نوبت" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ڈرامہ کی کامیابی کا انحصار پلاٹ یا کہانی کے اصل موضوع پر ہوتا ہے۔ اس کے لئے کیپٹن گرین آدے نے الف لیلہ کی مشہور داستان کے دلچسپ اور معروف قصہ "علی بابا اور چالیس چور" کو منتخب کیا۔ اس لئے پلاٹ کی بنیاد مضبوط ہے۔ اس قصے کی جزویات پر ان کی پوری نظر تھی۔ واقعات کے اظہار میں دلچسپی اور جدت و ندرت کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ پلاٹ سادگی اور پرکاری کے حسن سے مملو ہے۔ "علی بابا" میں مافوق الفطرت عناصر برائے نام ہیں۔ یہ ایک عام اور غریب لکڑہارے کا قصہ ہے۔ اس کا مختصر خاکہ حسب ذیل ہے:

---

[۱] یہ دونوں جلدیں راقم الحروف کے پاس موجود ہیں۔

[۲] پروفیسر گیان چند جین: اردو کی نثری داستانیں ص ۵۹۳ مطبوعہ کراچی پاکستان ۱۹۵۴ء

ایک جنگل میں ایک لکڑہارا علی بابا اور اس کا بیٹا احمد لکڑیاں کاٹ رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں احمد کا ہاتھ زخمی ہوگیا اور باپ کی ہدایت پر وہ گھر چلا جاتا ہے۔ اتنے میں چوروں کا ایک "طایفہ" آتا ہے۔ علی بابا ڈر کر قریب کے ایک درخت پر چڑھ جاتا ہے۔ چوروں کا سردار عبداللہ، اس کا نائب بہاؤالدین اور سب چور مسافروں اور زمینداروں کے گھر سے لوٹا ہوا مال و اسباب لے کر اسی درخت کے قریب جمع ہوتے ہیں۔ چوروں کا سردار ایک منتر "اے تل! کھل جا" پڑھتا ہے۔ فوراً ایک بڑا پتھر ہٹتا ہے اور ایک غار نظر آتا ہے۔ چور جلدی لوٹ کا مال غار میں چھپا دیتے ہیں۔ سردار پھر منتر "اے تل! بند ہوجا" پڑھتا ہے۔ غار کا منہ فوراً بند ہوجاتا ہے۔ یہ چالیس چور پھر قافلوں کو لوٹنے دمشق کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ علی بابا اس عجیب و غریب تماشے سے حیران ہوتا ہے۔ نیچے آکر وہی منتر پڑھتا ہے۔ پتھر ہٹ جاتا ہے۔ وہ خوشی خوشی اپنی گدھی پر کچھ قیمتی مال و اسباب، سونا چاندی لاد کر اپنے گھر کی طرف چل پڑتا ہے۔

علی بابا کے گھر میں اس کی بیوی فاطمہ بی، وہ بیٹا احمد ہاتھ زخمی کھڑے نظر آتے ہیں۔ فاطمہ بی اپنی خوبصورت نازک بدن لونڈی نورتن کے ذریعہ مرہم، گرم پانی اور کچھ کپڑے کے ٹکڑے منگا کر زخم کو لگاتی ہے۔ احمد درد سے تڑپتا ہے اور مرتے مرتے نورتن کو جس سے وہ بے حد محبت کرتا ہے بوسہ دینے کہتا ہے۔ نورتن اُسے بے حیائی سے روکتی ہے اور تسلی دیتی ہے۔ اتنے میں علی بابا ناچتے گاتے خوش خوش گھر آتا ہے اور سب کے سامنے اپنا لایا ہوا مال و اسباب کھول کر بتاتا ہے۔ انہیں تولنے کے لئے فاطمہ بی، نورتن کو خواجہ حسن کے گھر سے ترازو لانے بھیجتی ہے۔ خواجہ حسن، علی بابا کا مالدار لیکن سنگ دل سوداگر بھائی ہے۔

خواجہ حسن کی بیوی رشک بی اپنے شوہر سے نورتن کے ترازو مانگ کر لے جانے کا تذکرہ کرتی ہے۔ وہ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ علی بابا جیسے مفلس آدمی کو آج تولنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ اتنے میں نورتن ترازو واپس کرنے آتی ہے۔ ترازو کے ساتھ ایک سونے کا دینار لگا رہتا ہے، وہ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ ان مفلسوں کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی کہ گننے کی بجائے تول رہے ہیں۔ خواجہ حسن اور رشک بی، علی بابا کے گھر آتے ہیں اور علی بابا کو دریافت کرتے ہیں۔ فاطمہ بی کہتی ہے وہ نیا گھر خریدنے گئے ہیں۔ فاطمہ بی ان سے جنگل سے لائی ہوئی دولت کی تفصیل سناتی ہے۔ بے شمار دولت کی لالچ میں خواجہ حسن بھی جنگل روانہ ہوتا ہے اور منتر پڑھ کر غار کے اندر جاتا ہے اور مال و اسباب ایک جگہ جمع کرتا ہے۔ لیکن باہر نکلنے کا منتر بھول جاتا ہے، اتنے میں چور آتے ہیں مال و اسباب کو درہم برہم دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ خواجہ حسن پکڑا جاتا ہے اور سردار کے حکم سے اس کے چار ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ اسے بعد میں دفن کرنے کے لئے کنویں میں ڈال دیتے

ہیں ۔ علی بابا جاکر اپنے بھائی کی لاش لاتا ہے ۔ لاش سینے نورتن ایک چمار مکبوک کو آنکھوں پر رومال باندھ کر لے جاتی ہے ۔ جب چور واپس آتے ہیں لاش نہ پاکر حیران ہوتے ہیں اور اس بھید کو جاننے کے لئے شہر آتے ہیں اور مجرم کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں ۔ عبداللہ اور بہاؤ الدین کو چمار مکبوک نظر آتا ہے اور اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس نے ایک لاش سی ہے ۔ اسے گھر بتاتے کو کہتے ہیں اور پھر اس کی آنکھوں پر ویسا ہی رومال باندھ کر لے جاتے ہیں ۔ اور علی بابا کا گھر دیکھ لیتے ہیں ۔ چوروں کا سردار علی بابا سے بدلہ لینے ایک سوداگر کے روپ میں " تیل کے بڑے بڑے مٹکے لے کر جن میں چور پوشیدہ تھے " علی بابا کے گھر آتا ہے اور ایک رات قیام کی اجازت چاہتا ہے علی بابا بخوشی اجازت دے دیتا ہے ۔ اور نورتن کو مہمان کے لئے رات کے کھانے کی تیاری کا حکم دیتا ہے اور عبداللہ کو گھر کے اندر لاتا ہے ۔ نورتن تھوڑا تیل لینے مٹکوں کے قریب جاتی ہے تو اس میں سے آواز آتی ہے " اے رئیس قابو ملا کیا ؟" نورتن حیران ہوتی ہے اور فوری بھاری آواز سے بولتی ہے " ابھی نہیں ، چپ چپ " ۔ پھر سب مٹکوں کے پاس جاکر معائنہ کرتی ہے اور اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ ان مٹکوں میں چور پوشیدہ ہیں ۔ وہ گھر آتی ہے ۔ اس کے پاس ایک ایسا زہر تھا جسے گرم پانی میں ملاکر اگر کسی آدمی کے جسم کو ایک قطرہ بھی لگادیں تو وہ آدمی فوری مرجاتا ۔ اس زہر کا نسخہ اسے اس کے باپ سے ملا تھا جو دمشق کا ایک قابل حکیم تھا ۔ نورتن گرم پانی میں زہر ملاکر ہر مٹکے میں تھوڑا تھوڑا ڈالتی ہے جس سے سب چور مرجاتے ہیں ۔

اب اسے اپنے عاشق احمد اور علی بابا کی فکر ہوتی ہے جو دالان میں بیٹھے عبداللہ کے ساتھ شراب نوشی میں محو تھے ۔ نورتن فوری ان کے پاس جاتی ہے ۔ علی بابا اس سے ناچنے اور گانے کی فرمائش کرتا ہے ، نورتن ناچتی ہے ۔ اتنے میں عبداللہ ایک خنجر نکال کر موقعہ کی تاک میں رہتا ہے ۔ نورتن یہ دیکھ لیتی ہے اور " رقص السیف " شروع کردیتی ہے اور موقعہ سے عبداللہ کو مار ڈالتی ہے ـــــ علی بابا پریشان ہوجاتا ہے اور خفا ہوتا ہے ، نورتن سب تفصیل سناتی ہے ۔ علی بابا نورتن کی وفاداری سے خوش ہوتا ہے ۔ احمد اس وفاداری کے صلہ میں نورتن سے اپنی شادی کرنے کی خواہش کرتا ہے ۔ علی بابا راضی ہوکر نورتن سے اس کی مرضی دریافت کرتا ہے ۔ وہ کہتی ہے " آپ کی مرضی کے موافق یہ لونڈی بھی رضامند ہے ! " علی بابا کہتا ہے " خیر عقدنامہ گھر میں لکھا جاوے گا " اس جملہ پر ڈراما ختم ہوجاتا ہے ۔

یہ کہانی جیسا کہ تلخیص سے ظاہر ہے کئی اجزاء پر مشتمل ہے اور مختلف چھوٹے چھوٹے واقعات کا مجموعہ ہے ۔ ان واقعات کو اس طرح مربوط و مسلسل کیا گیا ہے کہ واقعات کے جوڑ نظر نہیں آتے ۔ اس لحاظ سے ڈراما علی بابا کا پلاٹ مربوط اور مضبوط ہے ۔ علی بابا کی کہانی یوں بھی دلچسپ داستان ہے ۔

اور پھر کیپٹن گرین آدے کی فن کارانہ ترتیب نے اس کو اور دلچسپ بنا دیا ہے۔ ڈرامے کی آغاز سے ایک تذبذب کی کیفیت موجود ہے اور جیسے جیسے قصہ آگے بڑھتا ہے ویسے ویسے یہ کیفیت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ ڈرامے کے پلاٹ کے ارتقا کو "آغاز" "ارتقاء" اور "انجام" کی تقسیم سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ "علی بابا" میں یہ تقسیم بہت واضح ہے۔ اس ڈرامے کو بہت کامیابی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اور اس میں مسلسل ارتقائی کیفیت قائم رکھی گئی ہے۔ آغاز سے انجام تک تجسس اور تذبذب کی فضا برقرار ہے۔ اس فضا کا برقرار رہنا پلاٹ سازی کی مہارت کا ثبوت اور ڈرامے کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

کردار نگاری

کردار نگاری کے لحاظ سے "علی بابا" کا مطالعہ کسی قدر دلچسپ ہے۔ اس ڈرامے میں یوں تو کئی کردار ہیں لیکن علی بابا، احمد، فاطمہ بی، خواجہ حسن، رشک بی، نورتن، بکبوک چمار اور عبداللہ کے کردار اہم ہیں۔ جن کے حرکات و اعمال کے ذریعہ ڈرامے میں زندگی کی بعض حقیقتوں اور صداقتوں کو پیش کیا گیا ہے۔ کردار دو مختلف طبقات سے اخذ کئے گئے ہیں۔ علی بابا، احمد، فاطمہ بی، نورتن اور بکبوک چمار غریب طبقے کے نمائندہ کردار ہیں۔ ایک ہی طبقے کے مختلف کرداروں میں انفرادیت پیدا کرنا اگرچہ کردار نگاری کا مشکل مرحلہ ہوتا ہے لیکن کیپٹن گرین آدے نے اس مرحلہ کو کامیابی کے ساتھ طے کیا ہے۔ نفسیات انسانی پر انھیں دسترس حاصل ہے وہ کرداروں کو اپنے اشاروں پر نہیں چلاتے بلکہ حالات کے لحاظ سے انھیں عمل کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیتے ہیں۔ ڈرامہ میں کردار نگاری کی ایک مشکل یہ بھی ہے کہ ڈراما نگار کو اپنے کرداروں کا تعارف کرانے کا حق حاصل نہیں ہوتا بلکہ کردار اپنے قول و عمل سے خود کو متعارف کراتا ہے اور اپنی سیرت واضح کرتا ہے۔ کیپٹن گرین آدے نے بڑی توجہ اور محنت سے ڈراما "علی بابا" کے کرداروں کی سیرت کے نقوش واضح کئے ہیں۔ اس ڈرامے کے اہم کرداروں کی سیرت کے مختصر خاکے اور کچھ اقتباسات ذیل میں درج ہیں۔

علی بابا

ڈرامہ کا مرکزی کردار علی بابا ہے۔ کیپٹن گرین آدے نے اُسے ایک عزیز باپ، مشفق شوہر اور ایک شریف خوددار محنتی لکڑہارے کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ڈرامے کے ابتدائی حصے میں وہ ایک شفیق باپ کی طرح اپنے اکلوتے لڑکے احمد کے ہاتھ زخمی کر لینے پر تڑپ جاتا ہے اور فوری گھر جا کر مرہم لگانے کہتا ہے۔

احمد کے جانے پر وہ خود سے یوں کہتا ہے،

"ہمیشہ کام یوں چلتا ہے، یہ میرا بیٹا کبھی کچھ محنت نہیں کرتا ۔ سب کچھ میرے سر ہے ۔ حیف کہ میں کیا لاچار بوڑھا ہوں"۔

علی بابا لاچار بوڑھا ہونے کے باوجود بڑا خوددار اور "پچاس سال سے لنگوٹی باندھے" اپنے دشوار اور کٹھن کام میں مگن ہے ۔ اپنے دولت مند بھائی کے آگے اس نے کبھی ہاتھ نہ پھیلایا ۔ اس لئے اس کے بھائی خواجہ حسن کی نظر میں وہ "مفلس نادار" لیکن "مغرور" ہے ۔ لیکن جب علی بابا کے پاس دولت آجاتی ہے تو یہی خواجہ حسن اسے "بزرگ اور نیک مزاج" کہتا ہے ۔

احمد

احمد، علی بابا کا اکلوتا نوجوان بیٹا ہے ۔ ماں باپ دونوں اسے بہت چاہتے ہیں ۔ لیکن وہ محنت کا عادی نہیں ۔ باپ کے بوڑھے پن، لاچاری اور اپنی ذمہ داری کا اسے کچھ احساس نہیں ۔ وہ ایک عاشق مزاج سادہ لوح نوجوان ہے اسے "نورتن" کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہیں ۔ وہ علی بابا سے کہتا ہے :

"آپ مجھ سے وعدہ کئے رہتے کہ لونڈی نورتن تجھے نکاح کردیں گے ۔ اے میاں باپ ! آہ آہ وہ لونڈی کیسی خوب صورت کیا نازک بدن اور کیا لطیف ہے مارے عشق کے میرا دل کباب ہوگیا ہے فوراً اس کا علاج نہ ہو تو مرجاؤں گا"۔

لیکن احمد، علی بابا کی نظر میں ابھی بچہ ہے اس لئے وہ کہتا ہے :

"صبر کر رے بیٹا صبر کر ۔ تو ابھی بچہ ہے عورت سے تجھے کیا کام ۔ کلہاڑی لے، لکڑی کتر ۔۔۔"

آخر میں احمد اپنے عشق میں کامیاب ہوتا ہے اور نورتن سے اس کی شادی طے ہوجاتی ہے ۔

نورتن

نورتن ڈرامہ کا ایک اہم کردار ہے ۔ اصل داستان میں اس کا نام "مرجینا" ہے لیکن کیپٹن گرین آدے نے اپنے ڈرامہ میں بعض دوسرے کرداروں کی طرح اس کردار کا نام بدل دیا ہے ۔ یہ علی بابا کی لونڈی ہے بڑی خوب صورت، بہت نازک بدن اور بے حد عقل مند ہے ۔ اسے گانے اور ناچنے میں بھی کمال حاصل ہے ۔ احمد سے محبت کرتی ہے لیکن اسے اپنے لونڈی ہونے کا احساس ہے ۔ محبت کو دل میں چھپائے رکھتی ہے اور ضبط و احتیاط سے کام لیتی ہے ۔ نورتن کا باپ دمشق کا ایک قابل حکیم تھا اور یہ بھی حکمت سے اچھی طرح

واقف ہے۔ اسی لئے باپ کے بتائے ہوئے زہر کے نسخے کی بدولت آسانی سے چوروں کی جان لے لیتی ہے اور ظالموں کا خاتمہ کرتی ہے۔ اور اسی کی تدبیر سے علی بابا اور احمد کی جان بچی ورنہ چوروں کے سردار عبداللہ کے ہاتھوں آسانی سے ختم ہو جاتے۔ اسی خدمت اور وفاداری کے صلہ میں علی بابا نے اسے احمد کے نکاح میں دینا قبول کیا۔

خواجہ حسن

یہ علی بابا کا بھائی ہے۔ بڑا دولت مند سوداگر ہے مگر بڑا سنگ دل اور حاسد ہے۔ علی بابا کو "مفلس و نادار" جاننے کے باوجود کبھی ایک کوڑی کی مدد نہ کی۔ علی بابا کی خودداری کو اس کی مغروری سمجھتا ہے۔ اسے نورتن جیسی خوب صورت لونڈی کا علی بابا کے پاس رہنا بھی ناگوار تھا۔ جب علی بابا کے پاس دولت آئی تو یہ اپنی بیوی رشک بی (نام ہی سے کردار پر روشنی پڑتی ہے) کے ساتھ علی بابا کے گھر آیا، اور کہتا ہے:

"وہ مرد آدمی علی بابا اللہ اس کو سلامت رکھے کہ جس میں دنیا کی سب فضیلتیں ہیں وہ بزرگ اور نیک مزاج کہاں ہے؟"

پیسے کی لالچ میں انسان کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔ کل تک خواجہ حسن کی نظر میں علی بابا برا اور "بدمعاش" تھا اور اس کا وجود باعث رسوائی۔ خواجہ حسن کے کردار سے حاسد اور لالچی انسان کے حشر پر روشنی پڑتی ہے۔ خواجہ حسن دولت مند سوداگر ہونے کے باوجود مزید مال و دولت کی لالچ میں چوروں کے غار میں جاتا ہے اور پھر وہاں پکڑا جاتا ہے۔ سردار کے حکم سے اس کے چار ٹکڑے کر دیئے گئے۔ نورتن کے ان جملوں سے خواجہ حسن کے کردار پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔

"وہ حاسد خواجہ حسن جو ہمارے مالک کی دولت دیکھ کر رشک کے دام میں گرفتار ہوا تھا مارے لالچ کے ان چوروں کے غار میں لوٹ کی خاطر گیا لیکن بے چارہ چوروں کے ہاتھ میں سنپڑا (پکڑا گیا) تو وے (وہ) اس کو چار ٹکڑے کئے جبکہ میرا مالک سنا کہ اپنا بھائی وہاں گیا ہے اور بالکل اب تک پھر نہیں آیا ہے تو وہ دلادر اس کی تلاش کو روانہ ہوا اور اس کی لاش کو پایا اور اپنے گھر لے آیا۔"

بکبوک چمار

ڈرامہ علی بابا میں چمار کا بھی ایک اہم کردار ہے۔ اسی نے خواجہ حسن کی لاش سی اور اسی کی وجہ سے

چوروں کو علی بابا کے گھر کا پتہ چلا۔ کیپٹن گرین آدے نے اس کردار کا نام بھی خوب رکھا ہے۔ یہ چمار ڑا باتونی ہے اور خود کو خوبصورت سمجھتا ہے لیکن بڑا زن مرید بھی ہے۔ اپنی شرابی بیوی کے ہاتھوں بڑا نگ اور پریشان ہے۔ اس کی بیوی ساری کمائی چھین لیا کرتی ہے۔ وہ ناچنے گانے والی ایک بازاری ورت ہے۔ آخر ایک دن وہ شراب کے نشے میں مدہوش ہو کر کنوئیں میں گر کر مر گئی۔ اس کی موت پر لبوک چمار بڑا خوش ہے۔ بکبوک کو شاعری کا بھی ذوق ہے وہ گاتا بھی ہے۔ اس کی گائی ہوئی دو غزلیں ناب میں موجود ہیں جن سے اس کی بیوی کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے۔ بکبوک چمار کے کردار کے ذریعہ یپٹن گرین آدے نے ڈرامہ میں شوخی اور شگفتگی پیدا کی ہے۔

غرض کیپٹن گرین آدے کردار و سیرت نگاری کے فن میں بڑے کامیاب رہے۔

مکالمہ نگاری

ڈرامے کے فن میں مکالموں کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کیونکہ مکالمے ہی عمل کی بنیاد ہوتے ہیں۔ ہیں کے ذریعہ پلاٹ کا ارتقاء ہوتا ہے۔ کرداروں کی سیرت واضح ہوتی ہے۔ تذبذب اور کشمکش کی یفیت پیدا ہوتی ہے اور ڈرامے میں تصادم رونما ہوتا ہے۔ مکالمہ نگاری ڈرامے کے فن کا ایک کل اور نازک مرحلہ ہے۔ کیپٹن گرین آدے نے "ڈرامہ علی بابا" میں اس مشکل اور نازک مرحلہ کو بڑی میابی سے طے کیا ہے۔ ان کے کرداروں کی سیرت مکالموں سے متعین ہوتی ہے۔ کیپٹن گرین آدے بیانات سے نہیں۔ کیپٹن گرین آدے کو انسان کی نفسیات سے گہری واقفیت تھی اور فطرت انسانی ے تقاضوں کو وہ بخوبی سمجھتے تھے۔ اس لئے ان کے مکالموں میں متعلقہ کرداروں کے طبقے، مزاج، ار اعمال کی جھلک نمایاں ہے۔ کیپٹن گرین آدے نے مکالموں میں کرداروں کے طبقاتی فرق اور ظ مراتب کا بھی لحاظ رکھا ہے۔ مثلاً علی بابا اور حمد کی گفتگو میں یہ خوبی موجود ہے۔

حمد: اے عزیز باپ عرصہ ست کرا میں محنت کروں گا لیکن آپ اپنے وعدے کو وفا کرنا بھی ضرور ہے۔

بابا: ارے وہ کیا وعدہ ہے؟

ر: آپ مجھ سے وعدہ کئے تھے کہ لونڈی نورتن تجھے نکاح کر دیں گے۔ اے میاں باپ آہ آہ وہ لونڈی کیسی خوب صورت ہے کیا نازک بدن اور کیا لطیف ہے۔ مارے عشق کے میرا دل کباب ہو گیا ہے۔ فوراً اس کا علاج نہ ہو تو مر جاؤں گا۔

علی بابا: صبر کر رے بیٹا صبر کر تو ابھی بچہ ہے۔ عورت سے تجھے کیا کام۔ کلہاڑی لے کر
علی بابا اور نورتن، احمد اور نورتن، عبداللہ اور علی بابا کی گفتگو میں بھی حفظ مرا
رکھا گیا ہے۔

ڈرامہ "علی بابا" میں مکالمے کہانی کے تانے بانے میں بُنے ہوئے ہیں اور پلاٹ کے
اس لئے ڈرامے کے ارتقائی عمل میں ہر طرح معاونت کرتے ہیں۔ کیپٹن گرین آدے کو زبان
حاصل تھا۔ وہ کرداروں کے جذبات ان کی نفسیات اور عمل و ردِ عمل کی کیفیات کے اظہار
مناسب و موزوں الفاظ کا انتخاب کئے ہیں۔ اسی لئے ڈرامے کے تاثر کو ابتدا سے انجا
رکھنے میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے روزمرہ اور محاورہ کے استعمال سے ڈرامے کے مکالموں
پیدا کی۔ مکالمے برجستہ اور بامعنی ہیں۔ کیپٹن گرین آدے نے ڈرامہ میں بعض جگہ "خو
سے بھی کام لیا ہے اور بعض مواقع پر یہ خود کلامی ڈرامے کے تاثر میں اضافہ کا باعث ہوئی
احمد کے زخمی ہو کر جانے پر علی بابا کی خود کلامی اس کی ذہنی کشمکش کی مظہر ہے۔

"علی بابا: ہمیشہ کام یوں چلتا ہے۔ یہ میرا بیٹا کبھی کچھ محنت نہیں کرتا۔ سب کچھ میرے س
حیف کہ میں کیا لاچار بوڑھا ہوں" غرض مکالموں میں زبان و بیان کی موزونیت کا

تذبذب اور تصادم

ماہرینِ فن، ڈرامہ میں تصادم کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اس کے بغیر ڈراما کا وجود مم
یونانی ڈراموں میں عام طور پر دو کرداروں اور ذہنیتوں کا تصادم رائج تھا۔ "علی بابا"
کومیڈی (طربیہ) ڈرامہ ہے۔ کومیڈی میں عموماً کسی شخصیت اور جماعت کے درمیان تص
ہوتا ہے۔ نیکی اور بدی کے درمیان متضاد کشاکش واقع ہوتی ہے۔ علی بابا اور چالیس چو
تصادم ظالموں پر ایک غریب اور مظلوم کی فتح کا خوش آئند انجام ظاہر کرتا ہے۔ تصادم کو
کو دلچسپ اور کامیاب منزل میں داخل کرنے کے لیے حیاتِ انسانی کا نفسیاتی مطالعہ بے حد ضرو
تاکہ کسی نوع کے تصادم کے اظہار میں غیر مناسب مغالطہ نہ ہو۔ اور اس عملی کشاکش کو کامیابی
سے نبھایا جا سکے۔ ڈرامہ "علی بابا" کے تصادم میں تدریجی ترقی ہے۔ اس کے کرداروں کے
کشمکش کو کامیابی کی منزل تک پہنچایا گیا ہے۔ اس ڈراما میں آغاز سے انجام تک تحیّر و تذ
کیفیت بھی قائم ہے۔ کیپٹن گرین آدے نے کسی حقیقت پر پردہ ڈال کر تحیّر و تذبذب

ہے بلکہ ابتدا ہی سے ڈرامے میں تمام واقعات کے آثار نمایاں کر دیئے ہیں۔ پہلے منظر میں چوروں کے گروہ کو دیکھ کر غریب بوڑھے لاچار علی بابا کا ڈر جانا اور دہشت سے کانپنے لگنا اور پھر بڑی ہمت اور جواں مردی سے چوروں کا مال لوٹ لے جانا واضح کر دیا ہے۔ اس وضاحت کے بعد ڈرامے میں تحیر و تذبذب کی فضا قائم رکھنا مشکل تھا۔ لیکن کیپٹن گرین آدے نے اس دشواری پر بڑی کامیابی سے قابو حاصل کیا ہے۔

بوڑھے علی بابا اور اس کے نوجوان بیٹے احمد کی طبیعتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ علی بابا تجربہ کار، محنتی اور شفیق باپ ہے جب کہ احمد ناتجربہ کار، کام چور، لاپرواہ اور سادہ لوح عاشق مزاج ہے۔ احمد، لونڈی نورتن کا عاشق ہے اور اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے جب کہ علی بابا راضی نہیں کیونکہ اس کی نظر میں احمد ابھی بچہ ہے۔ نورتن کے کردار میں محبت، وفاداری، ہمت اور بہادری کو نمایاں کیا گیا ہے۔ اس نے تنہا چالیس ظالم، فسادی چوروں کا خاتمہ کیا اور اپنے عاشق احمد اور محسن علی بابا کی جان بچائی۔ چوروں کے سردار عبداللہ اور علی بابا کا ٹکراؤ۔ غرض انھیں تصادموں کے ذریعہ ڈرامے علی بابا میں تحیر و تذبذب کی کیفیت قائم رکھنے میں کیپٹن گرین آدے کامیاب رہے۔ انھوں نے قصہ کی رکاوٹوں، پیچیدگیوں اور کشمکش کو دور کر کے واقعات کو دلچسپ انداز میں بام ترقی تک پہنچایا جو نقطۂ عروج کہلاتا ہے۔ یہی ڈرامہ کا آخری باب ہے۔ واقعات کے تدریجی ارتقا اور منطقی تصادم کے ساتھ وحدت فکر و عمل کا متناسب عروج اور طربیہ انجام نے اس ڈرامہ کو ایک دل کش اور کامیاب ڈرامہ بنا دیا ہے۔

ڈرامہ کی وحدتیں

"علی بابا" فنی اعتبار سے ایک مکمل ڈرامہ ہے۔ اس میں فن ڈرامہ کے جملہ اصولوں کی پابندی کی گئی ہے اس میں ڈرامے کی وحدتیں یعنی وحدتِ زماں، وحدتِ عمل، وحدتِ مکان اور وحدتِ تاثر بھی موجود ہے۔

ڈرامہ علی بابا کا قصہ کئی دنوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ارسطو کے قدیم تصور یعنی "سورج کی ایک گردش" کی پوری طرح پابندی نہیں کی گئی ہے۔ لیکن ڈرامہ میں وقت کے گزرنے کی رفتار کا اندازہ کرایا گیا ہے، علی بابا کا جنگل سے مال و دولت لانا پھر نیا گھر خریدنے جانا اور وہاں منتقل ہونا، خواجہ حسن کا قتل اور علی بابا کا اس کی لاش کو لانا، عبداللہ اور بہاؤ الدین کا سارا دن تلاش میں در بدر پھرنا، پھر عبداللہ اور علی بابا کی ملاقات میں شام کا وقت اور رات تمام ہونے کا تذکرہ ہے۔ اس طرح ڈرامے کے آغاز سے انجام تک جتنے واقعات ہیں ان کی مناسبت سے وقت کا تصور موجود ہے۔

ڈرامہ "علی بابا" کا پلاٹ بہت مضبوط اور مربوط ہے اس میں شروع سے آخر تک ا
قائم رہتی ہے۔ اس میں تمام ضمنی واقعات اصل واقعہ کی اہمیت کو بڑھاتے ہیں۔ مختلف
قسم کے واقعات بیان کر کے ڈرامے کو پیچیدہ نہیں بنایا گیا۔ اس طرح اس ڈرامہ میں وحد
کی موجودگی ثابت ہوتی ہے۔

ڈرامہ "علی بابا" میں وحدتِ مکاں بھی موجود ہے۔ اس میں جو واقعات دکھائے گئے
ایک دوسرے سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہیں ہیں جملہ واقعات جنگل، اور پھر علی بابا کے پرانے
مکان میں دکھائے گئے ہیں۔

ڈرامہ کے فن میں مذکورہ بالا وحدتوں کو اس لئے ضروری سمجھا گیا ہے کہ اس سے ڈرامہ
تاثر قائم رہے۔ یہی مجموعی تاثر ڈرامے کے فن کی چوتھی وحدت ہے جسے "وحدتِ تاثر" کا نا
یہ وحدت ڈرامہ کی دوسری وحدتوں کے یکجا ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ ڈرامہ کے اختتام پر ا
جوڑے کی محبت اور کامیابی، ایک لونڈی کی وفاداری اور بہادری اور حسد و ظلم کے برے ا
روشنی پڑتی ہے۔ یہی ڈرامے کا تاثر ہے۔

ڈرامہ علی بابا کی فنی حیثیت

ڈرامہ "علی بابا" کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فنی اعتبار سے ایک مکمل ڈرامہ ہے۔ کیپٹ
نے اسے لکھتے ہوئے ڈرامہ نگاری کے اصولوں کو پیشِ نظر رکھا ہے اس کا موضوع حسن و عشق او
کا برا انجام ہے۔

اردو میں اور خصوصاً دکنی زبان میں یہ پہلا اور قدیم ترین ڈراما ہے جو اب تک دستیا
کیپٹن گرین آوے نے اپنے وقت میں داستانوں سے عوامی دلچسپی کے پیش نظر داستانِ الف لیلہ کے
قصہ علی بابا اور چالیس چور کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اس پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے۔

ڈرامہ علی بابا کا پلاٹ فن کاری کا نمونہ ہے۔ کیپٹن گرین آوے نے واقعات کے انتخاب
اور تسلسل میں مہارت دکھائی ہے۔ وہ قصہ میں کشمکش، تذبذب اور تصادم پیدا کرنے میں کا
ڈرامے کا پلاٹ مربوط ہے اور اس میں شامل تمام واقعات اصل واقعہ کی اہمیت بڑھاتے ہیں
پیدا کرنے کے لیے اس میں ضمنی واقعات شامل نہیں کیے گئے ہیں بلکہ اصل واقعہ میں احمد اور نو
پُر لطف چھیڑ چھاڑ اور ربکبوک چمار کے کردار سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ام

میں تمام واقعات فطری انداز میں پیش آتے ہیں۔ اور ڈرامہ کا انجام ان واقعات کا منطقی نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کیپٹن گرین آوے نے پلاٹ میں بڑی فن کاری سے رقص و موسیقی اور گانے کے لیے موقع پیدا کیے ہیں۔ اور اس موقع پر بھی ڈرامے کے ماحول اور معیار کو پیش نظر رکھا ہے۔

کردار نگاری کے نقطۂ نظر سے "علی بابا" ایک اہم ڈرامہ ہے۔ کیپٹن گرین آوے نے کرداروں کو نوک پلک سے سنوار کر پیش کیا ہے۔ انھوں نے نفس انسانی کی پیچیدگیوں اور فطرتِ انسانی کے تقاضوں کے مطابق کرداروں کی سیرت متعین کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علی بابا، احمد، نورتن، خواجہ حسن اور رکیبیک چمار کے کردار ڈرامے کے اہم اور یادگار کردار ہیں۔

مکالموں کے اعتبار سے بھی ڈرامہ "علی بابا" کی اہمیت مسلّم ہے۔ اس کے مکالمے ڈرامے کے ماحول سے مطابقت رکھنے والی اس وقت کی معیاری عوامی زبان میں لکھے گئے ہیں۔ اور نہایت برجستہ اور معنی خیز ہیں۔ ان مکالموں میں ایسے الفاظ کا استعمال نہیں کیا گیا ہے جن سے ڈرامے کا ماحول درہم برہم اور اس کا مجموعی تاثر مجروح ہو جائے۔

کیپٹن گرین آوے نے ڈرامہ میں وحدتوں کا بھی لحاظ رکھا ہے۔ وہ وقت کے رفتہ رفتہ گزرنے کا احساس پیدا کرنے میں پوری طرح کامیاب ہیں۔

ڈرامہ ایک فن ہے اور اس کا تعلق اسٹیج سے ہے۔ لہٰذا کوئی ڈرامہ جب تک اسٹیج نہ کیا جائے اس وقت تک اس کے حسن و قبح کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا اسی لئے ڈرامہ نگاری میں اسٹیج کے تصور کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ڈرامہ علی بابا میں اسٹیج کا تصور بہت واضح ہے۔ کیپٹن گرین آوے نے تھیٹر کو "تماشہ خانہ" کہا ہے۔ اور موقع بہ موقع اداکاری کیلئے اشارے بھی درج کئے ہیں۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

"جبکہ وے لوگ اس کام میں مشغول ہیں تو تماشہ خانہ کے پردے کو چھوڑ دینا"۔

کیپٹن گرین آوے نے آج سے ایک سو بتیس ۱۳۲ سال پیشتر بڑے اعتماد کے ساتھ اپنا ڈرامہ پیش کیا جو فنی اعتبار سے مکمل اور بہترین ڈرامہ ہے۔

ڈرامہ "علی بابا" کی لسانی خصوصیات

ڈرامہ "علی بابا" کے طرزِ بیان میں دلکشی اور دلفریبی پائی جاتی ہے۔ ڈرامہ کے مطالعے سے طبیعت نہیں اکتاتی۔ قاری اس کے مطالعے میں ڈوب جاتا ہے اور کتاب ختم کر کے ہی دم لیتا ہے۔ کیپٹن

گرین آدے نے اپنا ڈرامہ آسان، سلیس اور عام فہم دکنی زبان میں لکھا ہے لیکن انھوں نے اسے "ہندوستانی" قرار دیا ہے۔ اس ڈرامہ میں عربی، فارسی کے موٹے موٹے الفاظ کے بجائے آسان اور عام فہم ہندی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ کہیں کہیں ضرب الامثال و تشبیہ و استعارے ہیں۔ قصہ کی زبان روزمرہ کی بول چال ہے۔ ڈرامہ "علی بابا" دکنی ادبیات میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ اس ڈرامہ سے اُس دور کی زبان سمجھنے میں خاصی مدد ملتی ہے اور اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ عوام میں دکنی زبان کا استعمال باقی تھا۔ کیپٹن گرین آدے کا اسلوب منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ ہندوستانی ڈرامہ میں انھوں نے دکھنی زبان و قواعد کی پیروی کی ہے۔ ان کے ہاں "ان" کی جمع جو دکنی کی خاص کلید ہے اور "نے" کا حذف وغیرہ نمایاں ہیں۔

اسم کی جمع

پنجابی اور ہریانی میں "ان" کا لاحقہ بڑھا کر جمع بناتے ہیں۔ قدیم اردو اور دکنی میں یہ قاعدہ تھا۔ کیپٹن گرین آدے نے بھی اس لاحقے کو بکثرت استعمال کیا ہے۔ اس کی کچھ مثالیں یہ ہیں:

سب چوراں آتے ہیں۔ چوراں اس کو مار ڈالتے ہیں۔ سب چالیس چوراں تھے۔ یہ سب لاشاں چوروں کے ہیں۔ سب فسادیاں مرگئے ہیں۔ ہم چین آرام سے گذران کریں گے۔ پھسلانے کے باتاں کرتا ہے۔ سب تھیلیاں زمین پر رکھ کر کھولتا ہے۔ ایک دو چنڈیاں تھوڑا سا گرم پانی۔ میں اور بھی چیزاں سیتا ہوں۔ صباں کے روز ہم اس میں جا رہیں گے۔

علامت فاعل "نے"

علامت فاعل "نے" ہے۔ دکنی میں یہ علامت لازمی طور پر نہیں آتی۔ کیپٹن گرین آدے نے یہ علامت پورے ڈرامے میں کہیں بھی استعمال نہیں کی ہے۔ ایک جگہ انہوں نے لکھا ہے عبداللہ کی خاطر کان رکھتا ہے۔ یہاں سننے ہونا تھا۔

دکنی ضمیریں

دکنی میں ضمیریں اور ان کے روپ بہت ہیں۔ ڈرامہ "علی بابا" میں حسب ذیل دکنی ضمیریں ملتی ہیں

ضمیر شخصی واحد حاضر: توں تو کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے :

توں اُنو سے طعنے مہنے کی بات مت کہو

جمع غائب : وے، وہ کے لئے آیا ہے جیسے :

جبکہ وے لوگ اس کام میں مشغول ہیں ۔

مستقبل کی علامتیں

مستقبل کی علامت گا، گی، گے کی صورتیں ڈرامہ "علی بابا" میں حسب ذیل ہیں :
وہ میری دولت کتنیں تقسیم کرنے جابیٹھیگا ۔ ان کا حساب کرنے دو برس لگینگے ۔ سونا کھاوینگے اور موتی پیس کر پیوینگے ۔ ہم سب تیرے غلام ہووینگے ۔ ہم تیری شکر گذاری کرینگے ۔ تجھ سے کچھ محنت نہ لینگے ۔ آدمی اسی وقت مرجاویگا ۔ ایک آہ بھرنے کی فرصت بھی نہ پاویگا ۔ میں بھی دغا دیونگی ۔

ندائیہ حروف

ڈرامہ "علی بابا" میں حسب ذیل ندائیہ حروف استعمال ہوئے ہیں :
ائی (اے) باپ رے ۔ ارے باپ، لئی میاں باپ ائی پیارے بیٹے ۔ ارے میری جان! ائی میری محبوبہ! ائی عزیز بہ ائی بہن ۔ ائی ہمشیرہ ! ائی بھائیجو !، ارے میری جانی ! حیف کہ میں کیا لاچار بوڑھا ہوں ۔

متروک الفاظ

ڈرامہ "علی بابا" میں اُردو کے ایسے الفاظ اور محاورے خاصی تعداد میں ہیں جن کا استعمال جدید اُردو میں متروک ہے ۔ جیسے :

وے	:	وہ	مونجا ۔ موجا	:	بند ہونا
اُنو	:	اُن	چھیتا چھیلی	:	زبردستی
توں	:	تُو	چھین چھان	:	زبردستی
ہڈ	:	ہڈی	جورو	:	بیوی

ہڈ پا یا نہ بال : ہڈی ملی نہ بال
موے : مرے تک
سرکیا : جیسا
کنتیں : کے لئے
کنے : پاس
ابتلک : اب تک
تلے : پاس، قریب
سنپڑنا : پکڑے جانا
دلے : گھر
یارن : یار کی مونث
صباں : صبح

سبھوں : سب
ہوینگے : ہوں گے
اشرفی سے شرافت : روپے پیسے سے شرافت
ھُت : ہُد ۔ سوراخ، دیمک کا گھر مراد ہے۔
طعنے ٹھنے : طعنے ٹھنے۔ ملامت۔ عیب گری
مٹکا : بڑا گھڑا
چیزاں : چیز کی جمع
لاشاں : لاش کی جمع
گذراں : گذر بسر کی جمع
ہتھیاراں : ہتھیار کی جمع
چندیاں : کپڑے کے ٹکڑے

قدیم املا

ڈرامہ "علی بابا" میں اُردو کے ایسے الفاظ بھی ہیں جن کا تلفظ اب بدل گیا ہے یا جن کا املا جدید املا سے مختلف ہے۔ جیسے:

ہی : ہے
ناستے : ناتے (رشتے ناتے)
باوڑی : باولی۔ کنواں
اثی : اسے
سامھنے : سامنے
نیں : نہیں
ہاتی : ہاتھی
یھاں : یہاں۔ یاں
باالکل : بالکل

چمھار : چمار۔ موچی
ہشیاری : ہوشیاری
جھوٹھ : جھوٹ
بھوکھ : بھوک
جھوٹھا : جھوٹا
کلھاڑی : کلہاڑی
بڑا : بڑا
کوڑی : کوڑی
بھانہ : بہانہ

غرض ڈرامہ "علی بابا" کے مطالعے سے دکنی روزمرہ، محاورے، ضرب الامثال اور دکن کی مخصوص بول چال کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

ڈرامہ "علی بابا" کو پیش کرنے کا مقصد

قصہ مختصر اُردو زبان و ادب کی ترقی میں ہندوستان والوں کے علاوہ اہل یورپ خصوصاً پرتگالیوں رانسیسیوں اور انگریزوں نے نمایاں حصہ لیا ہے۔ اسی طرح اُردو ڈرامہ اور تھیٹر کی ترقی میں بھی ل یورپ نے خاطر خواہ حصہ لیا۔ تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے فورٹ سینٹ جارج مدراس کے کیپٹن ین آدسے نامی انگریز فوجی افسر نے جو راہ دکھائی تھی ہم اس کو لے کر اور آگے بڑھ سکتے ہیں۔ خود ستان الف لیلہ میں متعدد ایسے دلچسپ قصے ہیں جنھیں ادبی ڈراموں کی شکل میں کیا جا سکتا ہے۔ ب بیسویں صدی میں میرے ہم عمر نوجوان ساتھیوں کے لئے وسیع میدان ہے کہ وہ انگریزی، فرانسیسی، ین، رومن، امریکی اور روسی شہرہ آفاق ڈراموں کو اُردو کا جامہ پہنائیں۔ گزشتہ جنگ عظیم کے بعد ے اُردو زبان نے بین الاقوامی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ اور اُردو کتابوں، رسالوں، افسانوں اور راموں وغیرہ کی ذیلی براعظم ہند کے علاوہ ایشیائی ملکوں خصوصاً جاپان، افغانستان، ایران و ترکی غیرہ یورپ بشمول سوویٹ روس، اور امریکہ اور انگلینڈ ہر جگہ مانگ ہے۔

اس کتاب کی پیش کشی کا ایک مقصد یہ بھی ہے جیسا کہ ڈاکٹر نامی نے ببلوگرافیا اُردو ڈرامہ جلد اول) میں لکھا ہے "اُردو تھیٹر۔ اسٹیج اور ڈرامہ کو وہی اہمیت دی جائے جو متمدن ممالک کے ھیٹر، ڈرامہ اور اسٹیج کو حاصل ہے۔"

آخر میں میں محترم پروفیسر محبوب پاشاہ صاحب سابق اسسٹنٹ پروفیسر اُردو نیو کالج مدراس کا ریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مجھے ڈرامہ "علی بابا" پڑھنے اور استفادہ کرنے کا موقع دیا جو اُن کے خاندانی جی کتب خانہ جامع اہل اسلام مدراس میں محفوظ ہے۔ میں برادرم بلال صاحب کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے س نایاب ڈرامہ کی فوٹو اسٹاٹ کاپی مہیا کی۔ میں محترمہ ڈاکٹر زینت ساجدہ صاحبہ صدر شعبۂ اُردو عثمانیہ نیورسٹی، شفیق استاد محترمہ ڈاکٹر سیدہ جعفر صاحبہ ریڈر شعبۂ اُردو عثمانیہ یونیورسٹی اور شفیق چچا محترم ڈاکٹر یوسف الدین صاحب سابق صدر شعبہ مذہب و ثقافت عثمانیہ یونیورسٹی کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنھوں نے نے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اس کتاب کی طباعت و اشاعت کے لئے میں حیدرآباد کے قدیم و ممتاز تاجران ب جناب علیم الدین صاحب اور جناب محی الدین صاحب کا ممنون ہوں۔ جناب محمد عبدالرزاق صاحب نے ابت کا دشوار مرحلہ بڑی خوش اسلوبی سے جلد طے کیا، اس کا اظہار شکر بھی میرا اخلاقی فرض ہے۔

محمد افضل اقبال

علی بابا

یا

چالیس چور

ہندوستانی میں ترجمہ

از

کپتان گرین آوے

۶۴ ویں رجمنٹ

پینتوہیں مترجم کی اجازت سے تعلیم الاخبار پریس مدراس میں
مالکین منشی سید حسین و غلام حسین اینڈ کمپنی کے لیے طبع ہوا۔

قیمت چار آنے

سنہ ۱۸۵۲ء

ALI-BABA

OR

the Forty thieves

Translated into Hindoostanee

BY

Captain T. Greenaway 46th Regt.

AND

Lithographed by permission

of the translator at the Takeem

ool-Ukhbar Press

MADRAS.

For the Proprietors Moonshee

Syed Hoossain & Goolam Hoossain

and Co

PRICE 4 ANNAS

1852

ALI-BABA.

OR

the Forty thieves

Translated into Hindoostanee

BY

Captain T. Greenway 46th Regt.

AND

Lithographed by permission of the translator at the Taleem-ool-Ukhbar Press

MADRAS.

for the Proprietors Moonshee Syed Hoossain & Goolam Hoossein and Co

PRICE 4 ANNAS.

1852.

"علی بابا یا چالیس چور" سرورق کا عکس

ایک جنگل میں جسمیں ایک طرف پہاڑ سا ایک بڑا
پتھر ہی علی بابا لکڑ ہارا اور احمد اُسکا بیٹا گدھا ساتھ
لئے ہوے کلہاڑی ہاتھ میں لیکر آتے ہیں

احمد — ای باپ رے یہ کیسی بڑی آفت ہی۔ ہم ہر روز محنت کرتے ہوئے مشکل سے گذران کرتے ہیں۔ اگرچہ تیرا بھائی میرا چچا خواجہ حسن جو بڑا دولتمند سوداگر ہی۔ مگر وہ سنگدل ہم کو ایک کوڑی بھی نہیں دیتا ——

علی بابا — چپ رے بیٹا چپ جو تقدیر میں لکھا ہوا ہی سو ہو گا تو صبر کر اور دیکھ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہی۔ لے لے کلہاڑی اٹھا اور لکڑی کو کتر ——

احمد — ارے باپ لکڑیاں کترنے اور محنت کرتے میرا جی بیزار ہوا ہمکو عیش کے واسطے نہ پیسا ہی نہ فرصت ——

علی بابا — اف بیٹیا تو کیا بکتا ہی میں علی بابا جو تیرا والد ہوں پچاس برس سے اس ہی لکڑ ہارے کے کام میں مشغول ہوں تو قدم میں بیزار ہو گیا کیا ——

"علی بابا چالیس چور" پہلے صفحے کا عکس

نوبتؔ[1] اول

ایک جنگل ہے جس میں ایک طرف پہاڑ سا ایک بڑا پتھر ہے. علی بابا لکڑ ہارا اور احمد اس کا بیٹا گدھا ساتھ لیئے ہوئے کلہاڑی ہاتھ میں لے کر آتے ہیں

احمد : ائی[2] باپ رے یہہ کیسی بڑی آفت ہئے[3] . ہم ہر روز محنت کرتے ہوئے مشکل سے گذران کرتے ہیں. اگرچہ تیرا بھائی میرا چچا خواجہ حسن جو بڑا دولت مند سوداگر ہے . مگر وہ سنگدل ہم کو ایک کوڑی بھی نہیں دیتا .

علی بابا : چپ رے بیٹا چپ رہو . تقدیر میں لکھا ہوا ہے سو ہوگا تو صبر کر اور دیکھ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے . لے لے کلہاڑی اٹھا اور لکڑی کو کتر .

احمد : ارے باپ لکڑیاں کترتے اور محنت کرتے میرا جان بیزار ہوا ہمکو عیش کے واسطے نہ پیسا ہے نہ فرصت .

علی بابا : ائی بے حیا تو کیا بکتا ہے میں علی بابا جو تیرا والد ہوں پچاس برس سے اس ہی لکڑ ہارے کے کام میں مشغول ہوں تو ذرے میں بیزار ہو گیا کیا .

احمد : ائی عزیز باپ غصہ مت کر میں محنت کرونگا لیکن آپ اپنے وعدے کو وفا کرنا بھی ضرور ہے .

علی بابا : ارے وہ کیا وعدہ ہے

احمد : آپ مجھ سے وعدہ کیئے تھے کہ لونڈی نُورتن تجھے نکاح کر دینگے . ائی میاں باپ آہ آہ وہ لونڈی کیسی خوب صورت کیا نازک بدن اور کیا لطیف ہے مارے عشق کے میرا دل کباب ہو گیا ہے . فوراً اس کا علاج نہ ہو تو مر جاونگا .

---

[1] ایکٹ، سین کے لئے نوبت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے

[2] اے [3] "ہے" کے لیئے ڈرامہ میں ہر جگہ "ہی" استعمال ہوا ہے .

علی بابا: صبر کر رے بیٹا صبر کر تو ابھی بچہ ہے ۔ عورت سے تجھے کیا کام ۔ کلھاڑی لے لکڑی کتر ۔

{ دیکھیے احمد کلھاڑی لیکر لکڑی کترنے شروع کرتا اتنے میں اپنے ہاتھ کو ذرہ ذرہ زخمی کرتا اور رونے پکارنے لگتا ہے ۔ }

علی بابا: ائی پیارے بیٹے تجھے کیا ہوا بول

احمد: میں برباد ہو گیا ہوں سب میرے عضو جاتے رہے اسس درخت بدبخت پر خدا لعنت و ملامت کرے ۔

علی بابا: افسوس صد افسوس تو گھر کو جا اپنی ماں سے زخم کے واسطے کچھ مرہم مانگ لے ۔

(احمد چلا جاتا ہے)

علی بابا: ہمیشہ کام یوں چلتا ہے یہہ میرا بیٹا کبھی محنت نہیں کرتا سب کچھ میرے سر ہے حیف کریں کیا لاچار بوڑھا ہوں ۔

(بڑا آواز باہر سے سننے میں آتا ہے)

علی بابا: یہہ تو کیا اتفاق ہوتا ہے ابا چوروں کا ایک طایفہ چلا آتا ہے میں کیا کروں ان کے ہاتھ میں سپنڑا[1] تو مارا جاؤنگا اس میں کیا شک کہ میں اس جھاڑ پر چڑھ جاؤنگا تو وہاں سے ان کے سب تماشے کو دیکھ سکونگا ۔

{ علی بابا جھاڑ پر چڑھ کر چھپا رہتا ہے عبداللہ چوروں کا رئیس اور بہاؤالدین اس کا نائب اور سب چوراں[2] آتے ہیں ۔ }

عبداللہ: چالاکی سے سب کام کرو ۔ زمیندار کے گھر میں سے لوٹ لائے سو مال و اسباب اور مسافروں سے لئے تھے سو پیسا جواہر جلدی لاکر غار میں پوشیدہ کرو ۔ دوسرا دور کرتا ہے ۔

(۔ چوراں اسباب وغیرہ لاتے ہیں ۔)

بہاؤالدین: خداوند سب کچھ حاضر ہے ۔

عبداللہ: تو غار کھلنے کے واسطے منتر پڑھونگا ۔ ائی تل کھل جا

{ پہاڑ کے بیچ میں سے ایک بڑا پتھر کھلتا اور اس میں غار نظر آتا ہے ۔ }

---

[1] پکڑا گیا

[2] چور ۔ 'ا' اور 'ن' کے اضافے سے اسم کی جمع بنائی گئی ہے ۔

ہاؤالدین : چلو بھائی چالاکی کرو ۔ بعد دمشق کی طرف سے آتے ہیں سو قافلوں کو لوٹنے کی خاطر جلد روانہ ہوئینگے شاید کہ اس سے سب کتنیں[1] بڑی دولت حاصل ہو ۔

(جبکہ نائب یہ بات بولتا ہے تو اتنے میں چوراں سب مال غار میں چھپا رکھتے ہیں ۔)

ہاؤالدین : سب تیار ہے خداوند ۔

عبداللہ : ائی تل بند ہوجا ۔

[پہاڑ کے بیچ میں ہے سو بڑا پتھر ایک سان ہوجاتا ہے سب چوراں ہتھیار لے کر چلے جاتے ہیں ۔ علی بابا جھاڑ پر سے نیچے اترتا ہے ۔]

علی بابا : واہ ۔ واہ عجب ہے ۔ اور عجب تر ہے ۔ اور عجب ترین ہے ۔ یہ کیا تماشہ اس عاجز نے دیکھا ۔ کہ سارا ملک ان بدذاتوں کے خوف کے مارے مایوس ہے ۔ لیکن ابتلک[2] ان کے مقام کی کسی کو خبر نہ تھی ۔ ان کو دیکھ کر میں ایسی دہشت سے کانپنے لگا تھا کہ جھاڑ پر سے گر پڑنے کے قریب تھا ۔ ان کا منتر مجھے خوب یاد ہے ۔ کیا کروں میں بہت غریب بوڑھا ہوں ۔ یہ[3] چوراں سب عالم کو لوٹتے ہیں ۔ اگر میں بھی ان کو لوٹوں تو بڑی جواں مردی کا کام ہوگا ۔ تحقیق ہے اب اپنے نصیب کو آزماؤنگا ۔ ائی تل کھل جا ۔

[غار پھر کھل جاتا ہے علی بابا ایک لحظے تک مارے خوف کے چپ کھڑا رہتا ہے بعد از غار میں گھستا ہے اور وہاں سے تھیلیاں[4] توڑے جواہر وغیرہ باہر لاکر زمین پر رکھتا ہے بعد اس کے ایسے فقرے بولتا ہے ۔]

علی بابا : کہ اللہ اللہ کیا خزانہ پایا ہوں اس میں دینار ہے ۔ اس میں گل مہریں ہیں ۔ ان دونوں میں اقسام اقسام کے جواہر ہیں ۔ اس میں ہیرے اور موتیاں ہیں ۔ ائی رحیم الرحمان میرے گدھے کی پیٹھ کو مضبوط کیجیئے ۔ حتی کہ وہ اس سب مال و دولت کو سلامتی سے ہمارے گھر پہنچا دیوے افسوس کیوں باہر لاؤں ۔ بیچاری گدھی ایک ٹکڑے[5] کا وزن بالکل نہیں اٹھا سکیگی ۔

ائی تل بند ہوجا

---

[1] کے لئے ۔ [2] اب تک [3] یہ
[4] تھیلی کی جمع [5] ٹکڑا

[علی بابا گدھی کی پیٹھ پر سب اسباب لادنا شروع کرتا ہے اور
بھی اُسے پھسلانے کے باتاں[1] کرتا ہے ۔]

علی بابا: کہ ائی میری پیاری حتی المقدور کوشش کر۔ ان سب کو ہمارے گھر میں پہنچا دیجئے۔ تو ہم تیری بہت شکر گذاری کرینگے ۔ تجھے دانہ دینگے ۔ تجھ سے کچھ محنت نہ لینگے تو ساری عمر چین و آرام سے اوقات بسر کر ۔ ہم سب تیرے غلام ہو وینگے ۔ خبرداری سے چل میری جان تو کچھ مت گرا دے ۔

علی بابا اور گدھی چلے جاتے ہیں ۔

نوبت دوّم

[علی بابا کے گھر کے اندر ایک کوٹھری ہے اس میں فاطمہ بی اس کی جورو[2] اور
اس کا بیٹا احمد دونوں کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔]

فاطمہ بی: ائی بیٹا تو اپنے ہاتھ کتیں کیسا زخمی کیا ہے۔ اس کو مرہم باندھنا ضرور ہے ۔ ائی نورتن ۔

نورتن پیچھے سے جواب دیتی ہے کہ کیا اماّ

فاطمہ بی: ادھر آ لونڈی مرہم اور ایک دو چندیاں[3] تھوڑا سا گرم پانی اور ایک چھری لا اور کچھ زیادہ نہیں ۔

[نورتن یہ سب چیزاں[4] ہاتھ میں لے آتی ہے فاطمہ بی احمد کے زخم
پر مرہم کو لگاتی ہے ۔]

احمد: ابّا ابّا کیا دُکھتا ہے ۔ اس رنج کے مارے میں جلدی بوڑھا ہو جاتا ہوں۔ آگے سے بڑھاپے میں گرفتار ہوں ۔ ائی نورتن مجھ پر رحم کیجئے اس جانہ مرگ مرنے والے کیتیں ایک بوسہ دیجئے ۔

---

[1] بات کی جمع
[2] بیوی
[3] کپڑے کے ٹکڑے
[4] چیز کی جمع

نورتن : ایسے بے حیا باتیں مت کرو ۔

احمد : مرتا ہے سو آدمی کتنیں آدمیت کی کیا پروا ہے ۔

نورتن : فکر مت کرو آپ کا زخم کچھ بڑی چیز نہیں ہے ۔

علی بابا معہ گدھا اندر آتا ہے بڑی خوشی سے ناچتا اور للکارتا ہے

فاطمہ بی : ارے میری جان تو دیوانہ ہو گیا کیا ۔

علی بابا : میں جنوں کی سب دولت پایا ہوں ہم سونا کھاوینگے اور موتی پیسکر پیوینگے ۔

فاطمہ بی : استغفر اللہ مجنوں ہو گیا ۔

علی بابا : تجھے آنکھ ہے تو دیکھ

{ علی بابا سب تھیلیاں وغیرہ زمین پر رکھ کر کھولتا ہے ۔ فاطمہ نورتن سے تینوں تینوں ایکساں بولتے ہیں کہ واہ واہ آفریں ۔ }

فاطمہ بی : ان سب کو کیسا گنا ان کا حساب کرنے دو برس لگینگے ۔ ای نورتن خواجہ حسن کے یہاں سے جلد ترازو مانگ لا ۔

(نورتن باہر جاتی ہے ۔)

فاطمہ بی : یا الٰہی تیرا شکر ہے اس خوش نصیبی کے سبب سے ہم چین و آرام سے گذران کرینگے ۔ ای میرے پیارے تم کہاں سے یہ سب پیدا کئے تھے ۔

علی بابا : ای میری محبوبہ صبر کر ان سب کی کیفیت مفصّل بیان کرونگا ۔ لیکن اب تو دیکھ نورتن ترازو لاتی ہے اس دولت کو اب تولنا ہے اور اس کو پوشیدہ رکھنا بھی لازم ہے بعد اس کے یہہ سب کہاں سے ملی سو تجھے بیان کرونگا ۔

{ نورتن ترازو لاتی ہے وے[1] سب پیسا وغیرہ تولتے اور بھی اکثر پکارتے ہیں کہ آفریں واہ واہ شاباشش وغیرہ ۔ }

جب کہ وے لوگ اس کام میں مشغول ہیں تو تماشے خانے کے پردے کو چھوڑ دینا تا کہ وے سب وہی کام کرتے ہوئے پوشیدہ ہوویں ۔

نوبت سیوم

{ خواجہ حسن کے گھر میں خواجہ اور اسکی جورو رشک بی دونوں حاضر ہیں ۔ }

[1] وہ

خواجہ حسن : اس کم بخت علی بابا کے ناشتے[1] کے سبب ہم روسیا ہیں ۔ لعنت خدا کی اس پر ہووے اس شہر کے تونگروں میں سے میں ایک ہوں سب عالم مجھے آداب بجا لاتے ہیں لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ یہہ بدمعاش علی بابا جو اس تونگر کا بھائی ہے لنگوٹی باندھ کر لکڑہارے کے کام میں مشغول ہے تو دے مجھے طعنے مہنے دیتے ہیں ۔

رشک بی : اس کی لونڈی نورتن ہمارے یہاں آئی تھی ۔

خواجہ حسن : اس بات میں بھی اس مغرور کی مغروری ظاہر ہے وہ مفلس نادار ایسی نازنین لونڈی کو رکھنا کیا مناسب ہے ۔

رشک بی : وہ لونڈی ترازو مانگ لینے کی خاطر آئی تھی ۔

خواجہ حسن : نادر بات ہے کہ ان کے پاس تولنے کے لائق کچھ چیز ہووے ۔

(نورتن ترازو لاتی ہے)

نورتن : آپ امانت دیئے تھے سو ترازو میں پھر لائی ہوں فاطمہ بی آپ کی خدمت میں شکر گذاری کہی ہے ۔

نورتن چلی جاتی ہے

رشک بی ترازو لے کر اس پر خوب نگاہ کرتی ہے

رشک بی : خدا حافظ یہہ تو کیا مقدمہ ہے دیکھو میاں اس ترازو کی ٹکلی میں ایک سونے کی دینار اٹکی ہے ۔ یہ کیا بات ہے ان مفلسوں کے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی کہ گننے کے عوض میں نقد کو تولتے ہیں ۔

خواجہ حسن : کیا رنڈی تو بے وقوف ہو گئی کیا ۔

رشک بی : آپ تو نظر کر دو بچشم خود دیکھ لو ۔ اب کیا کہتے ہو میرا بولنا جھوٹ ہے کیا ۔

خواجہ حسن : اے عزیز غصہ مت کر سچ ہے یہہ کیا کرامت پیش آئی ہے ۔

رشک بی : جو ہو سو ہو ان کے یہاں جانا مناسب ہے کہ اس حقیقت کو معلوم کریں ۔ یقین ہے کہ وہ شیطان کچھ چوری کیا ہے ۔

خواجہ حسن : اس میں کیا شک لیکن وہ دولت مند ہوا ہے تو اس سے دوستی کرنا مناسب تر ہے

---

[1] رشتہ

تو ان کو[۱] طعنے مہنے کی بات مت کر جو کوئی دولت مند ہوا ہے بہر طور صاحب آبرو اور ذی عزت جاننا لازم ہے. مثل ہے اشرفی سے اشرافت.

(وے دونوں چلے جاتے ہیں)

نوبت چہارم

علی بابا کے گھر میں فاطمہ بی حاضر ہے

طمہ بی : اس بڑی بختاوری کے سبب سے پریشان ہوگی کاش کہ کوئی حاسد ہم کو نظر نہ لگا دے میرا مرد گھر مول لینے کی خاطر گیا ہے. اس چھپر[۲] میں تونگر ہو کر بیٹھ رہنا مناسب نہیں سمجھا اس لئے ہماری بود و باش کے واسطے کوئی عمارت عالی شان تلاش کیا ہے ـ سب تیاری بھی کرتا ہے صباح[۳] کے روز ہم اس میں جا رہینگے ـ

خواجہ حسن اور رشک بی آتے ہیں ـ

ک بی : ائی بہن تمہاری بندگی کے واسطے ہم دونوں حاضر ہیں.

لمہ بی : ائی ہمشیرہ سلام ای خداوند یہہ لونڈی آپ کے بلائیں لیتی ہے

جہ حسن : سلام علیک وہ مرد آدمی علی بابا اللہ اس کو سلامت رکھے کہ جس میں دنیا کے سب فضیلتیں ہیں وہ بزرگ اور نیک مزاج کہاں ہے ـ

مہ بی : وہ ہمارے نئے گھر میں سب تیاری کرنے کے خاطر گیا ہے آپ کو خبر نہیں ہوئی کیا کہ ہم یکایک تونگر ہوئے ہیں ـ

جہ حسن : الحمد للہ اس رحیم پاک کو ہے جو نیکوں کیتی ثواب پہنچا دیا

ـ بی : ائی میری جان ائی عزیز دل تیرے مرد کو یہہ دولت کہاں سے ملی ہوئی

لمہ بی : جنگل میں ملی

اجہ حسن : واہ واہ شکر ہے جناب باری میں

لمہ بی : ایک غار میں پوشیدہ تھی ،

---

[۱] تونگر [۲] چھت [۳] صبح

رشک بی : عجیب

فاطمہ بی : لیکن یہہ غار منتر پڑھنے کے سوائے نہیں کھلتا ۔

خواجہ حسن : اس منتر کو کون جانتا ہے

فاطمہ بی : اس کا بیان یہہ ہے کہ جنگل کے بیچ ایک پہاڑ سا بلند پتھر ہے اُس میں چوراں لُوٹ لاتے سو سب مال چھپا رکھتے ہیں اسکو کھولنے کے واسطے یہ ضرور ہے کہ سامھنے[1] کھڑے ہوکر للکار کر بولنا ــــ ای تل کھلجا تو فوراً پتھر کے بیچ میں غار نظر آجائے گا ۔

خواجہ حسن : یہ کیا نقل عجیب ہے ۔

فاطمہ بی : ای یارو مجھے رخصت دیجیئے اس ترقی کے سبب سے سب کام بھولا جاتا ہے بلکہ ابتک میرے مرد کی خاطر کچھ کھانے کے واسطے تیار نہیں ہوا اسکی سربراہی کرنے کے لئے جلدی روانہ نہ ہودنتو شاید وہ مجھے خوب ماریگا ۔

(فاطمہ بی نکل جاتی ہے)

خواجہ حسن : سنو میری جان میں اسی وقت غار میں جاکر بے شمار دولت لاونگا تون[2] اپنے گھر میں چپ بیٹھ اور میرے آمد و رفت کی کسی لبشر کو خبر مت دے ۔

(وے[3] دونوں چلے جاتے ہیں

نوبت پنجم

چوروں کے غار کے اندرون نظر آتا ہے ۔ ای تل کھل جا

[کہ خواجہ حسن باہر سے پکارتا ہے ۔
اور بعد از ایک طرف کھل جاتا اور وہ اندر آتا ہے]

خواجہ حسن : الحمدللہ میں یہاں صحت سے پہنچا ہوں اب یہہ بہتر ہے کہ اس بڑے چھید[4] کیتں بند کردوں تاکہ کوئی مسافر اس کو دیکھ کر یہاں نہ آوے ۔ شاید وہ میری دولت کیتں تقسیم کرنے جاینگا ای تل بند ہو جا ۔

غار موںنجا[5] جاتا ہے

---

[1] سامنے [2] تو [3] وہ [4] ہنر۔ فن۔ قریب [5] بند ہوجا

راجہ حسن : کتنی دولت ہے اگر قیامت تک بیوپار کرتا ہوں تو بھی اتنی دولت ہرگز نہیں ملیگی ۔ سب تھیلیاں دروازے کنے[1] تیار کر کہ رکھوں گا افسوس کیا مصیبت ہے ایسے گنج میں سے کیا تھوڑا لے جاسکونگا کاش کہ میں ایک ہاتی[2] ہوسکتا تو بھی اس سے زیادہ لے جاتا ہر چند ممکن نہ ہوتا اب غار کھول کر چلا جاوں این این این کھل جا نہیں کھلتا کھل جا حکم نہیں سنتا ۔ وہ بات بالکل بسر گیا ایے ایے ایلے کچھ یاد نہیں ایک قسم کے بیج ہیں ای باجرا کھل جا ای چنا کھل جا ای مونگ ای لوبا کھل جا ای دروازے لعین خدا نے تجھے لعنت کرے کیا آواز سننے میں آتا ہے : چوراں آتے ہیں یہ ہائے وائے برباد ہو گیا ہوں ۔

وہ ایک کونے میں چھپا رہتا ہے عبداللہ جو رئیس ہے باہر سے بولتا ہے اے تل کھل جا غار کھل جاتا چوراں اندر آتے

علاؤالدین : یہہ کیا ہے سب گنج درہم و برہم ہوا ہے ۔ یہ تھیلیاں زمین پر دروازے کے تلے کون رکھا ۔

عبداللہ : کوئی اجنبی شخص غار میں آیا ہے چو طرف ڈھونڈھو

چوراں تلاش کرتے ہیں آخر خواجہ سنپڑتا[3] ہے تھوڑی چھینا چھینی کے بعد چوراں اسکو قید کرتے ہیں اور رئیس کے روبرو لے آتے ہیں ۔

عبداللہ : اس کم بخت کو مار ڈال اور اس کی لاش کو چار ٹکڑے کر اور غار میں رکھ ہم پھر آوینگے اور اسکو مٹی دیوینگے ۔

چوراں اسکو مار ڈالتے ہیں

اتنے میں پردے کو نیچے چھوڑتا ہے ۔

نوبت ششم

بکبوک چمار اپنے گھر کے سامنے چبوترے پر بیٹھا ہوا یہ شعر پڑھ رہا ہے ۔

شعر

اُداسی نہ تھی دل پہ میرے کبھی — مگر مجھ کو شادی نے رسوا کیی
ہوا تنگ زن سے میں یکبارگی — ولے صبر مجھ کو بھی درکار تھی

[1] پاس [2] ہاتھی [3] پکڑا جاتا [4] زبردستی

زنِ ظالمہ جسکو دیوے خدا — جہنم ہے اس کے لئے وہ سدا
لئی سیم و زر سب میرا چھین چھان[1] — نہیں طعام دلخواہ دی کوئی آن
نہیں یارنی[2] تھی وہ بلکہ شیطان تھی — ولے صبر مجھ کو بھی درکار تھی
شرابیوں کی سنگت میں مل بیٹھتی — غرض رقص میں تھا وہ تو عیار تھی
نہ پاس اس کو عزت نہ عصمت کی تھی — ولے صبر مجھ کو بھی درکار تھی

بلبوک : چمڑا سب خرچ ہوا اور تلاش کرنیکے لئے گھر میں جاتا ہے ای اللہ مجھے کیا ڈر معلوم ہوتا ہے اگر میری جورو گھر میں ہے دیکھی تو کیا کریگی معلوم نہیں بہر حال آزمانا ضرور ہے۔ کاش کے وہ شراب خانے کو گئی ہو تو بڑی بات ہے۔

(وہ اپنے گھر میں جاتا ہے نورتن جلدی آتی ہے)

نورتن : ای چمار تو کہاں ہے اس کام میں کچھ دیری نہ کیا چاہیے کیسی بڑی بات ہے سبحان اللہ وہ حاسد خواجہ حسن جو ہمارے مالک کی دولت دیکھ کر رشک کے دام میں گرفتار ہوا تھا۔ مارے لالچ کے ان چوروں کے غار میں لوٹ کی خاطر گیا۔ لیکن بیچارہ چوروں کے ہاتھ میں سنپڑ الو وے اس کو چار ٹکڑے کیئے جبکہ میرا مالک سنا کہ اپنا بھائی وہاں گیا ہے اور بالکل ابتک پھر نہیں آیا ہے تو وہ دلاور اس کی تلاش کو روانہ ہوا۔ اسکی لاش کو پایا اور اپنے یہاں[3] لے آیا۔ اب پھر یہ لازم ہے کہ اسکی لاش کے چار ٹکڑے جوڑنے کے واسطے اس چمار کو بلا لے جاؤں گی لیکن چمار کون سے گھر میں خصوصاً یہہ کام ہوتا ہے کہ کچھ اندیشہ نہ کرے۔ ای چمار ای بلبوک ای زن مرید ادھر آ۔

{ بلبوک آتا ہے }

بلبوک : بالکل کچھ چمڑا ہمارے یہاں نہیں ملا بے شک میری جورو اسکو بیچوں کر مجھے کھانے کے عوض کھلائی ہے۔ اما کیا تم مجھ کو بلائے تھے کیا کام ہے۔

نورتن : بڑی روزی حاصل کرنے کا کام ہے۔

بلبوک : الحمد للہ اس مسکین کے کان میں اس خوشی خبری سے دوسری خبر خوش تر سنی نہیں جا سکیگی اور کیا ہے بول۔

---

[1] زبردستی [2] یار کی مونث [3] یہاں

نورتن: سب ہتھیاراں ہاتھ میں لے اور میرے ہمراہ آ

بکبوک: اماں کی خدمت میں موجود ہوں

نورتن: پہلا کام یہہ ہے کہ اس رومال سے تیرے آنکھوں کو باندھوں

بکبوک: اس میں کیا فائدہ ہے۔

نورتن: فایدہ یہہ ہے کہ کھلے آنکھوں سے وہاں جاوے تو وقت پرغا مارے جائینگے

بکبوک: لیکن

نورتن: بلکہ پیر سے پانوں تک تو میرا فرماں بردار ہے تو تجھے سو دینار دینے کے واسطے قسم کھاتی ہوں۔

بکبوک: اچھا ایسا کرو رومال باندھ لو اور دیکھو غلام خدمت میں حاضر ہے۔

نورتن اس کے آنکھوں پر رومال باندھتی ہے

بکبوک: ای عزیز قوت سے مت کھینچ تم میری خوب صورت ناک کو کیا زبردستی سے دبلتے ہو۔

نورتن اس کا ہاتھ پکڑ کر اسکو لے جاتی ہے

نوبت ہفتم

جنگل کے درمیان ایک پہاڑ ہے جس میں غار نظر آتا ہے۔ علی بابا غار کے اندر سے پکارتا ہے

کہ ای تل کھل جا غار کھل جاتا ہے علی بابا اس میں سے نکل آتا ہے اس کے ہاتھ میں تھیلی ہے

علی بابا: ای تل بند ہو جا غار مونچا جاتا ہے۔

علی بابا: اللہ کریم بے نیاز ہے یہہ کام بھی تو پورا ہوا ہے جب میں اپنے بیچارے بھائی کے سب عضو اس غار ناپاک میں سے اپنے یہاں لایا تو غفلت کے مارے اس کے سر کو نہیں لایا۔ گھبراہٹ سے یہہ فراموشی ہوئی اب تو میں اس کو ڈھونڈھنے کی خاطر آیا اور پایا ہوں اور ہر عضو گاڑھنے کے لئے لے جاتا ہوں۔ یا اللہ کیا سنتا ہوں چوراں آتے ہیں خدا حافظ بھاگ جانا مناسب ہے۔

{ علی بابا بھاگ جاتا ہے }

جب چوراں آتے ہیں رئیس سب جماعت کے سامنے کھڑا ہو ا پکارتا ہے ای تل کھل جا

غار کھل جاتا ہے۔

اور رئیس غار میں گھستا ہے

بہاؤالدین : ای بھائیو اس کم بخت کے تئیں کفن دفن کرنے کے واسطے سب تیاری کرو اس کی لاش بہت وقت ہمارے مکان میں رہی تو سڑھنے سے ہمکو بڑی نفرت کا سبب ہوگا۔

(عبداللہ رئیس یکایک غار میں سے دوڑتا ہے)

عبداللہ : یہہ کیسی خیانت ہوگی اور ہم سے یہہ دغابازی کیا ہوگا وہ لاش جاتی رہی اگرچہ میں ہر ایک کونے میں ڈھونڈھا لیکن اس کا کوئی ہڈی پایا نہ بال

بہاؤالدین : شاید دیمک اس لاش کو کھائی ہوگی۔

عبداللہ : ای بیوقوف تو کیا بیہودہ بکتا ہے وہاں دیمک کہاں بلکہ اسکے آثار بالکل نہیں سوائے ہٹی کے دیمک کہیں ہوتی ہے کیا۔

بہاؤالدین : دوسرا کوئی غیر شخص یہہ کام کیا ہوگا۔

عبداللہ : اس میں کیا شک اب اسکے درپے ہوا چاہیئے چلے بھائیو ہر طرف تلاش کرو تین تین ملکر جاؤ چالاکی کرو۔

{ چوراں باہر جاتے ہیں۔ }

عبداللہ : ہم دونوں شہر میں جاکر اس بھید کو نکالنے کے لئے کوشش کریں گے اگر وہ مکار ہاتھ نہ آوے تو سارے ملک کو ویران کرینگے۔

نوبت ہشتم

{ چار سے چھپر کے سامنے ایک گلی نظر آتی ہے چار بلوک اپنے چبوترے پر بیٹھ کر یہہ راگ گاتا ہے }

ای سوندی پلا ارغوانی شراب ۔۔۔ کہ تا دفع خاطر سے ہو اضطراب
جو مایہ خوشی کا ہے نایاب ہے ۔۔۔ مگر ہے تو، ہاں وہ شئی نایاب ہے
میرا جان و دل اس پہ قربان ہے ۔۔۔ کہ اس کے سبب سے میری جان ہے
میں چاہتا ہوں کہ تا زندگی ۔۔۔ رہوں عیش عشرت میں باخندگی

بوک : خدا مجھ پر رحیم ہو کر میری جورو کو جاں بحق تسلیم کیا ہے ۔ ائی اللہ اپنے فضل سے اس نیک
عورت کو بہشت میں رکھ ہرگز میرے یہاں پھر آتے مت دے وہ محبوبہ خوب شراب پیکر متوالی
ہوئی تھی اور بے ہوش ہو کر ایک باوڑی میں گر کر ڈوب کر مر گی ۔ اللہ اس نیک نیت چاہ کن
کے تئیں جو اس چاہ کو کھودا ہے اس کو خوش حال رکھ ۔

عبداللہ اور بہاؤ الدین آتے ہیں

بداللہ : ہم تمامی روز اس بدذات شہر میں پھرتے رہے لیکن بالکل اس کی کچھ خبر نہیں ملی

ؤالدین : دیکھو تو یہاں کوئی چمار بیٹھا ہے اس کو پھسلاتا ہوں شاید اسکی گپ شپ سے کچھ نکل آویگا ۔

راللہ : یہ تدبیر تو اچھی ہے تو اس سے بات کر میں اس دیوار کے آسرے میں پوشیدہ رہونگا ۔

{ عبداللہ دیوار کے آسرے میں کھڑا رہتا ہے }

ؤالدین : ائی میاں چمار خدا تجھے سب چماروں سے سرفراز کرے ۔ سلام علیکم

ک : وعلیک اسلام ہے

ؤالدین : تجھ سا کوئی چمار حسین تر اور خوب صورت جہاں میں نہیں دیکھا ہوں ۔ واہ واہ کیسا
چہرہ ہے کاش کوئی عورت اس چہرے کو نہیں دیکھی اگر دیکھتی تو بیچاری مارے عشق کے
غش میں پڑتی ۔

رک : حضور خوشامد ہیں حضور کی بندگی کرنے کے واسطے یہ فدوی حاضر ہے حضور کے تئیں
مبارکبادی دیتا ہے ۔

ؤالدین : یہ چمار تکلف مزاج ہے اس سے سارا دن ظاہر داری کرنا کیا فایدہ ہے ۔ اے چمار اگرچہ
خود شریر چمار ہے لیکن گمان کرتا ہوں کہ چمار کے کام میں تو خام دست ہے ۔

وک : کیا میں خام دست ہوں بلکہ دنیا کے سب چماروں میں سے کوئی چمار نازک طرح سینے
کے باب میں میرے برابر نہیں ہے ۔

ؤالدین : چمڑے کو سینا بڑی بات ہے ۔

بوک : چمڑا جانے دے میں اور بھی چیزاں سیتا ہوں ۔

اؤالدین : تو احمق شخص ہے اور کیا سیتا ہے ۔

بوک : میں ایک آدمی کو سیتا ہوں

عبداللہ سننے کی خاطر کان رکھتا ہے

بہاؤالدین : تجھے شرم نہیں کیا تو جھوٹ[1] والا کہتا ہے۔

بکبوک : بفضلِ الٰہی سچ ہے ایک آدمی چار ٹکڑے ہوگیا تھا میں اس کو جوڑ کر سیا ہوں

عبداللہ چھار نہیں سنے سرٹکیا کہتا ہے

یہہ اس اجنبی کی لاش ہوگی۔

بہاؤالدین : اُسکو کون اعتبار کریگا بھلا یہہ کام کہاں درپیش آیا بول۔

بکبوک : قسم ہے کہ میں ہرگز نہیں جانتا ہوں کہ کون سے مکان میں ہوا ہے۔

بہاؤالدین : بیشک تو دیوانہ ہے یا مجھے دغا دیا چاہتا ہے کیونکہ آپ خود گیا تھا سو مکان کیوں نہ معلوم ہوگا۔

بکبوک : میرے آنکھوں کو رومال باندھا ہوا تھا۔

بہاؤالدین : ضرور ہے کہ تو کسی طرح سے اس مکان کو یاد کرنا وہی تیری نقل کی دلیل ہوگی اگر نہیں تو تجھے جھوٹا[2] سمجھنا ضرور ہوگا۔

بکبوک : ائی یار غضب ناک مت ہو اگر اس روز بندھے تھے سرٹکیا تم میرے آنکھوں کو رومال باندھیں تو میں ٹٹولتے ٹٹولتے جاؤنگا شاید اس تدبیر سے اس مکان تک پہنچونگا۔

بہاؤالدین اسکے آنکھوں پر رومال باندھتا بکبوک ٹٹولتے جاتا بہاؤالدین اسکے درپی ہوتا ہے عبداللہ دیوار کے آسرے سے سامھنے آتا ہے۔

عبداللہ : جب وے لوگ اس مکان کو معلوم کریں تو میں ایک سوداگر کا پوشاک پہن کر اس مکان کو جاؤنگا۔ اور تیل کے بیوپار کا بہانہ[4] کرونگا وہاں کے مالک سے میرے مال کو اسکے آنگن میں خبرداری کے واسطے رکھنے کی اجازت مانگونگا بعد اس کے ہمارے جوانوں کو ایک ایک بڑے مٹکے میں پوشیدہ کر کر ان کو تیل کے مٹکے کہ کر اس کم بخت کے آنگن میں رکھواؤنگا۔ اور جب رات ہوگی ان جوانوں کتیں اشارہ کرونگا کہ وے سب مٹکوں میں سے نکل کر اس مکان کے لوگ کو مار ڈالینگے اس طرح سے انکا انتقام پورا ہوگا اور ہم سب بغیر خوف دغابازی کے آرام سے گذران کرینگے۔

(وہ چلا جاتا ہے)

---

[1] جھوٹ [2] جیسا [3] جھوٹا [4] بہانہ

نوبت نہم

[علی بابا کے نئے گھر کے آنگن میں مٹکے دیوار کو ٹکے ہوئے دھرے ہیں
علی بابا اور احمد امیرانہ لباس پہن کر حاضر ہیں اور عبداللہ سوداگر
کا پوشاک پہنا ہوا ان کے ساتھ ہے۔]

عبداللہ : یہہ فدوی حضور کا کیا شکر گذار ہوگا کہ حضور اپنی مہربانی سے مجھے اور سب میرے مال کو حضور کے سائے میں پناہ لینے کی نوازش فرمائے ہیں۔ میں سنا ہوں کہ اس ملک میں چور اں بہت ہیں اس سبب سے مجھے ڈر معلوم ہوا اب حضور کی عنایت سے پھر خاطر جمعی ہوگئی۔

علی بابا : ائی میاں کچھ فکر مت کرو بزرگوں کو یہہ مناسب ہے کہ سب کے ساتھ سخاوت و مروت کریں۔

احمد : اور ہم لوگ جو سب بزرگوں سے بزرگ تر ہیں اور سخیوں سے زیادہ سخی ہیں ہم نہایت خوشی سے تم لوگ کتیں جو مفلس ہیں پرورش کیا چاہتے ہیں۔

عبداللہ : خدا ایسے نیکوں کو نیک بخت کرے

احمد : تیل تمہارا اچھا ہے یا نہیں سو آزمانا چاہتا ہوں ایک دو مٹکے کھولو دیکھنے دیو۔

عبداللہ : اپنے آپ میں یوں بولتا ہے
کیا کروں راز فاش ہو جائیگا۔

{ بعد اس کے بلند آواز سے یہہ بولتا ہے }

اگر حضور اجازت دیویں تو ایک عرض کرتا ہوں کہ امیرزادوں کو تیل کی آزمائش کرنا شرم کی بات ہے اور مناسب نہیں۔

علی بابا : یہ تو تحقیق ہے ائی بیٹا تو اس فکر کو چھوڑ دے کیونکہ عالم نہ سمجھے کہ یہہ احمد کسی مسکین کا فرزند ہے۔

احمد : اپکے تیں بھوکھ[1] نہیں لگی کیا شام کا وقت ہے بہتر یہہ ہے کہ ہم جا کر کھانا کھاویں۔

---

[1] بھوک

علی بابا : یہہ بات پسند آتی ہے ائی نورتن

{ نورتن آتی ہے }

نورتن : حاضر ہوں خداوند

علی بابا : جا لونڈی کھانے کے واسطے سب تیاری کر

نورتن : بموجب حکم کے بجا لاؤنگی

{ نورتن گھر میں پھر جاتی ہے }

علی بابا : آپ یہاں تشریف لانیکے سبب سے ہم سرفراز ہوئے ہیں ۔ اب آپ ہمارے پاس تناول فرماوینگے تو ہم کو زیادہ فخر ہوگا ۔

عبداللہ : حضور کی خدمت میں فدوی حاضر ہے ۔

{ وے گھر میں جاتے ہیں بہاؤالدین ایک مٹکے میں سر اٹھاکر کہتا ہے }

بہاؤالدین : کاش کہ رات تمام ہوتی اس مکانِ تنگ میں لیٹ رہنا بہت دکھ کا باعث ہے کوئی آتا ہے چھپ جانا ضرور ہے ۔

{ نورتن آتی ہے }

مجھے تلنے کے واسطے تیل نہیں ہے اس سوداگر کے مٹکوں میں سے تھوڑا لے لیؤنگی ۔

وہ ایک مٹکے[1] کو ذرہ ذرہ کھولتی ہے

بہاؤالدین : مٹکے کے بیچ میں سے بولتا ہے ـــ ائی رئیس قابو ملا کیا ؟

{ نورتن مٹکے کو موندھتی[2] اور مارے ڈر کے ایک لحظے تک حیران ہو کر کھڑے رہتی ہے ۔ }

نورتن : بھاری آواز سے بولتی ہے ـــ ابھی نہیں چپ چپ

پھر سامنے آتی ہے ـــ خداحافظ

نورتن : کیا کروں مٹکے میں ایک ایک آدمی ہے سبھوں میں بھی آدمیاں ہوینگے کیا ہے کی آزمانا لازم ہے سب کے پاس جاکر دیکھتی ہوں ۔

نورتن : یے سب چوراں ہیں اور ہمارے مالک کو مار ڈلنے کی خاطر آئے ہیں اب میں ایک کام کرونگی

---

[1] بڑا گھڑا [2] بند کرتی

میرا باپ دمشق کا ایک قابل حکیم تھا اس کے علم میں سے ایک دو ہنر مجھے معلوم ہیں ایک تو یہہ ہے کہ ایک زہر میرے پاس ہے۔ ایسا قاتل کہ اس کو گرم پانی میں ملائے تو اور اس کا پانی ایک بوند کسی آدمی کے انگ[1] کو لگے تو وہ آدمی اسی وقت مرجاویگا۔ ایک آہ بھرنے کی فرصت بھی نہ پاویگا۔ اسی زہر کو میں جاکر لاؤنگی اِن دغابازوں کتیں[2] بھی دغا دیونگی۔

نورتن گھر میں گھسی ہے

بہاؤ الدین مٹکے میں سے سر اٹھاتا اور بولتا ہے

بہاؤالدین : الحمد للہ رات تمام ہونے کے قریب ہے اس وقت ہم ان بدبختوں کو قتل کریں۔ ضرور ہے کہ رئیس ہمارا بلند آواز سے پکارے کیونکہ اس اُجاڑ مٹکے میں کچھ بھی سُنا نہیں آتا۔ مُضایقہ نہیں ایک گھڑی کی تصدیع ہے۔ بعد از ہم بڑی خوشی سے رہیں گے — پھر کوئی آتا ہے چھپ جاؤں۔

[نورتن ہاتھ میں ایک گرم پانی کا گھڑا لے کر آتی ہے
ہر مٹکے میں تھوڑا تھوڑا پانی ڈالتی ہے]

نورتن : اللہ اللہ کیسی خدمت گذاری عمل میں لائی ہوں۔ یہہ سب فسادیاں[2] مر گئے ہیں۔ ان میں سے ایک مُفسد پھر کبھی کسی مسافر کو نہیں ستاویگا۔ میرے مالک کا جان بھی بچ گیا۔ وائی وائی میں کیا کہتی ہوں ابھی وہ مالک عزیز بڑے اضطراب میں ہے۔ بے شک وہی سوداگر اِن چوروں کا رئیس ہے۔ دونوں اور مالک زادہ احمد جو میرا عاشق ہے۔ یہہ تینوں شراب پیتے ہیں اور عیش میں وقت کاٹتے ہیں۔ میں ان کے پاس جاؤنگی یہہ خنجر بھی ساتھ لے جاؤنگی۔ غرض مالک اور عاشق کے جان کو بچانے کی کچھ تدبیر کرونگی۔

نوبت دہم

[علی بابا کے نئے گھر کے دالان میں علی بابا، احمد اور عبداللہ
یہ تینوں شراب پیتے بیٹھے ہیں۔]

علی بابا : شراب شیراز ہے پیو ای دوست اس سے بہتر شراب کہاں ملیگی۔

---

[1] جسم
[2] فساد برپا کرنے والے

عبداللہ : آپ کوثر سے ایسی شراب حضور کتیں جنت میں غلماں پلا دینگے ۔

احمد : اس عرصے میں جنت میں آب کوثر پینا آرزو نہیں ہے جہاں میں شراب شیرازئی تو بس ہے ۔

{ اپنے میں آپ بولتا ہے }

عبداللہ : امید ہے کہ ان دونوں کو کوئی دم میں جنت کو روانہ کرونگا

علی بابا : کیا آپ کو یہ شراب پسند نہیں آئی کہ آپ کچھ نہیں پیتے ہو ۔

عبداللہ : نہایت پسند ہے پیتا ہوں دیکھئے ۔

احمد : ای باپ اور شراب دیجئے ۔

علی بابا : ارے بابا میاں تو متوالا ہو جائیگا کیا ۔

{ نورتن آتی ہے }

احمد : ارے میری جانی نزدیک آ ایک تو پیالہ شراب کا پیلے ۔

علی بابا : چپ رہ بیٹا تجھے شرم بھی نہیں ای نورتن مہماں کتیں خوش کرنے کے واسطے ناچ اور راگ بھی گاؤ ۔

[نورتن ناچتی اور تازہ بہ تازہ کے راگ بھی گاتی جب نورتن ناچتی ہے اتنے میں عبداللہ ایک خنجر نکال کر علی بابا کو مار ڈالنے کے واسطے قابو دیکھتا ہے لیکن بہت ہشیاری[1] بھی کرتا ہے تاکہ مجلس سے کوئی شخص اس کی ہتھیار پہ نگاہ نہ کرے ۔]

نورتن : آپ حکم فرمادیں تو یہ لونڈی دوسرا ایک ناچ جسکو رقص السیف کہتے ہیں ناچینگی ۔

احمد : ناچو ہو پیاری ناچو میری جان ای محبوبہ تیری تصویر میرے دل میں ایسی کھب گئی ہے کہ مجھے غش آتی ہے اگر میں پرہیزگار نہ ہوتا تو متوالا ہو گیا کر کے گمان کیا جاتا ۔

علی بابا : چپ رہ احمق ای نورتن ناچ اس نادان کی بات مت سن

[نورتن خنجر ہاتھ میں لے کر رقص السیف کا ناچ ناچتی ہے علی بابا اور احمد کو مار ڈالے سرکتیا حیلے سے عبداللہ کو مار ڈالتی ہے ۔]

علی بابا : ائی رسوا تو کیا کی جہان کو مار ڈالنے سے قیامت تک ہم روسیاہ ہو گئے ہیں ۔ ائی بیٹا تلوار اٹھالے اور اس مکروہ کو مار ڈال

---

[1] ہوشیاری [2] جیتا

ائی باپ صبر کر ۔ اس میں کچھ بھید ہے ۔ ائی نورتن اس کا باعث بیان کر

سنو ائی خداوند یہہ کم بخت جس کو تم مہمان سمجھ کر رحم کرتے ہو ان چوروں کا رئیس تھا جو غار میں تھے ۔ اس کے مٹکوں میں سب چالیس چوراں تھے ۔ یہہ لونڈی ان کے حیلے کو جان کر ان سب کتیں زہر سے مار ڈالی ہے آخر ان کے رئیس کو بھی ہلاک کی آپ خود ان مٹکوں میں دیکھیے اور میری بات سچ ہے کہ نہیں معلوم کیجئے ۔

{ فاطمہ بی آتی ہے }

واہ واہ یہہ کیسا سوداگر ہے جو لاشوں کا بیو پار کرتا ہے کھوج لینے کے ارادے سے اسکے مٹکوں میں نظر کی تو کیا دیکھتی ہوں کہ ہر ایک میں ایک ایک لاش ہے وہ کافر کون ہے جو ویسا بیوپار کرتا ہے کیا ہم کو مردم خوار سمجھا کہ ان لاشوں کو ہمارے یہاں لایا ۔

ائی اما فکر مت کر ۔ یہہ سب لاشاں چوروں کے ہیں ۔

کیا بیٹا تو خیال کرتا ہے چور کا گوشت کھانا واجب ہے سمجھتا کیا ۔

ائی نورتن ہم موئے[1] تک تیرے شکر گذار رہنا مناسب ہے تو کیسی آفت سے ہکو رہائی بخشی

ائی باپ عقل مندوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی تم کو کچھ فایدہ پہنچا دیوے تو اس کے عوض اسکو بھی کچھ عنایت کرنا لازم ہے اس لئے میری عقل میں یوں آتا ہے کہ اس نورتن کو مجھے شادی کر کر دینا اس کے شکرانے میں اس سے کیا بہتر ہو سکتا ہے ۔

بابا : خوشی سے یہہ کام کروں گا ائی نورتن اس شادی سے تو خوش ہوگی کیا ۔

ن : آپ کی مرضی کے موافق یہہ لونڈی بھی رضامند ہے ۔

بابا : خیر عقد نامہ گھر میں لکھا جاویگا ۔

تمام شد

م

م

---

[1] مرنے تک

کتابیات

اُردو مطبوعات

۱. حکایات الجلیلہ	منشی شمس الدین احمد	چھاپہ خانہ مدراس ۱۸۳۶ء
۲. علی بابا	کیپٹن گرین آدے	تعلیم الاخبار مدراس ۱۸۵۲ء
۳. ناٹک ساگر	نورالٰہی و محمد عمر	بار اوّل — ۱۹۲۴ء
۴. ارباب نثر اُردو	پروفیسر سید محمد	حیدرآباد — ۱۹۳۷ء
۵. تاریخ ادب اُردو	رام بابو سکسینہ	نول کشور پریس لکھنؤ ۱۹۵۲ء
۶. اُردو کی نثری داستانیں	پروفیسر گیان چند جین	انجمن ترقی اُردو۔ کراچی ۱۹۵۴ء
۷. اُردو تھیٹر (جلد اول)	ڈاکٹر عبدالعلیم نامی	انجمن ترقی اُردو۔ کراچی ۱۹۶۲ء
۸. ہندوستانی ڈرامہ	صفدر آہ	نیشنل بک ٹرسٹ دہلی ۱۹۶۲ء
۹. اُردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	جلد دوم	دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۶۶ء
۱۰. ببلوگرافیا اُردو ڈرامہ (جلد اول)	ڈاکٹر عبدالعلیم نامی	محبوب المطابع دہلی ۱۹۶۶ء
۱۱. اُردو ڈراما اور اسٹیج	پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب	کتاب نگر۔ لکھنؤ ۱۹۶۸ء
۱۲. اُردو ڈرامہ روایت اور تجربہ	ڈاکٹر عطیہ نشاط	نصرت پبلشرز لکھنؤ ۱۹۷۳ء
۱۳. اُردو ڈرامہ تاریخ و تنقید	عشرت رحمانی	علی گڑھ بک ڈپو ۱۹۷۵ء
۱۴. ریڈیو ڈرامے کا فن	ڈاکٹر اخلاق اثر	مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۷۷ء
۱۵. اُردو ڈراما اور انارکلی	سید حیدر عباس رضوی	بھوپال بک ہاؤز ۱۹۷۷ء
۱۶. اُردو ڈراما کا ارتقاء	عشرت رحمانی	ایجوکیشنل بک ہاؤز علی گڑھ ۱۹۷۸ء
۱۷. مدراس میں اُردو ادب کی نشوونما (جلد اول)	ڈاکٹر محمد افضل اقبال	معین پبلیکیشنز حیدرآباد ۱۹۷۹ء
۱۸. فورٹ سینٹ جارج کالج۔ دکنی زبان و ادب کا ایک اہم مرکز	"	معین پبلیکیشنز حیدرآباد ۱۹۷۹ء
۱۹. اندرسبھا اندرسبھائیں	ابراہیم یوسف	نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۸۰ء
۲۰. جنوبی ہند کی اُردو صحافت	ڈاکٹر محمد افضل اقبال	معین پبلیکیشنز حیدرآباد ۱۹۸۱ء
۲۱. ڈرامہ نگاری کا فن	پروفیسر اسلم قریشی	شاہین بک سنٹر دہلی ۱۹۸۳ء

رسائل

۱. اردوئے معلی قدیم اردو نمبر دہلی یونیورسٹی	قدیم ترین اردو ڈرامہ	پروفیسر خواجہ احمد فاروقی
۲. نقوش لاہور فروری مارچ ۱۹۵۳ء	واجد علی شاہ کی ایک نایاب تصنیف	ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
۳. شب خون الہ آباد جولائی ۱۹۶۷ء	اردو ڈرامہ انیسویں صدی میں	ڈاکٹر مسیح الزماں
۴. جامعہ دہلی ستمبر ۱۹۸۲ء	فورٹ ولیم کالج اور فورٹ سینٹ جارج کالج (ایک تقابلی مطالعہ)	ڈاکٹر سمیع اللہ
۵. جامعہ دہلی جنوری ۱۹۸۳ء	فورٹ ولیم کالج اور فورٹ سینٹ جارج کالج	ڈاکٹر محمد افضل اقبال
۶. آواز ۱۵/ جنوری ۱۹۸۳ء	اردو ڈرامہ کل اور آج	ڈاکٹر صفی الدین صدیقی

قدیم اخبارات

اعظم الاخبار مدراس — دسمبر ۱۸۵۱ء، اپریل ۱۸۵۲ء، جون ۱۸۵۲ء — عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد

انگریزی مطبوعات

۱. ڈسکرپٹیو لسٹ آف پکچرز ان گورنمنٹ ہاؤس	ایچ. ڈی. لو	۱۹۰۳ء
۲. ورنیجس آف اولڈ مدراس	ایچ. ڈی. لو	۱۹۱۲ء
۳. دی انفلوئنس آف انگلش لٹریچر آن اردو لٹریچر	ڈاکٹر سید عبداللطیف	۱۹۲۴ء
۴. دی سنٹرل ایڈمنسٹریشن آف دی ایسٹ انڈیا کمپنی	ڈاکٹر بی. بی. مشرا	۱۹۵۹ء
۵. انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا	جلد ۷	۱۹۷۰ء

حالاتِ مصنف

نام : محمد افضل الدین اقبال   تاریخی نام : افضل الدین محمد عبد القیوم

قلمی نام : محمد افضل اقبال

والد : محمد شرف الدین مرحوم بانی و معتمد صنعتی نمائش حیدرآباد

پیدائش : حیدرآباد دکن

تعلیم : بی ۔ ایس سی، ایم ۔ اے، پی ایچ ۔ ڈی (عثمانیہ) ڈپلوما ماڈرن عربی

مشغلہ : تحقیق و تدوین

پیشہ : لیکچرار اردو سکندرآباد ایوننگ کالج عثمانیہ یونیورسٹی

سکونت : "مقامِ مسعود" ۳۸-۲-۵ جام باغ روڈ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱ آندھراپردیش ۔ انڈیا ۔

تصانیف

۱ ۔ پرنٹنگ کی کہانی (تاریخ فن طباعت) سنہ ۱۹۶۵ء

۲ ۔ تذکرۂ سعید (اردو انگریزی) سنہ ۱۹۷۳ء

۳ ۔ مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما (جلد اول) سنہ ۱۹۷۹ء

(آندھراپردیش اردو اکاڈمی سے پہلا انعام پانے والی یہ کتاب مدراس یونیورسٹی کے ایم ۔ فل کے نصاب میں شامل ہے)

۴ ۔ فورٹ سینٹ جارج کالج ۔ دکنی زبان و ادب کا ایک اہم مرکز سنہ ۱۹۷۹ء

(اترپردیش اردو اکاڈمی سے ایوارڈ یافتہ)

۵ ۔ جنوبی ہند کی اردو صحافت (سنہ ۱۸۵۷ء سے پیشتر) سنہ ۱۹۸۱ء

(اترپردیش اردو اکاڈمی اور مغربی بنگال اردو اکاڈمی سے ایوارڈ یافتہ)

۶ ۔ خرگوش پروری (خرگوش اور اس کی نشو و نما نیز اس کی تجرباتی و معاشی اہمیت) سنہ ۱۹۸۴ء

(بہ اشتراک پروفیسر ڈاکٹر محمد عماد الدین)

۷ ۔ اردو کا پہلا نثری ڈرامہ اور کیپٹن گرین آوے سنہ ۱۹۸۴ء

۸ ۔ مدراس میں اردو ادب کی نشو و نما (جلد دوم) زیرِ طبع

۹ ۔ تبصرے روزنامہ سیاست و منصف حیدرآباد، روزنامہ سلطان مدراس اور ہفتہ وار ادریٹل گرسجد بیٹ میں شائع شدہ

۱۰ ۔ دکنیات کی ببلوگرافی (زیرِ ترتیب)   مصنف کے تبصروں کا انتخاب (زیرِ ترتیب)